مولانا سید عبدالرحمن بخاری

اسلامی معاشرہ میں حیثیت نسواں کا تاریخی جائزہ

موضوع زیر نظر کے اصل نقطۂ ارتکاز پر بحث سے بیشتر معاشرہ انسانی کی تشکیل و تعمیر کے بنیادی اجزاء و عناصر اور اسلامی معاشرہ کے دیگر سوسائٹیوں سے جوہری امتیازات کی مختصر وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے تاکہ موضوع زیر نظر کی "عمرانی بنیادیں" متعین کر کے ان کے حوالے سے آگے بڑھا جائے۔

انسانی معاشرہ کے تشکیلی عناصر :- معاشرہ ایک اعلیٰ ترین طبعی اور قدرتی انسانی ادارہ ہے جس کی ضرورت مدنی الطبع انسان کے لیے فطری اور بدیہی ہے اسی لیے ارسطو نے کہا ہے کہ جو شخص معاشرہ سے الگ تھلگ رہتا ہے وہ یا تو دیوتا ہے یا حیوان۔ یوں فرد اور معاشرہ لازم و ملزوم ہیں نہ افراد کے بغیر معاشرہ تشکیل پاتا ہے اور نہ ہی معاشرہ کے بغیر فرد کی بقا ممکن ہے۔

فرد میگیرد ز ملت احترام   ملت از افراد می یابد نظام
فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں   موج ہے دریا میں اور بیرون دریا کچھ نہیں

ایک مغربی مفکر گرے (GRAY) نے معاشرہ کی تعریف یہ کی ہے۔ **A Society is a group of individuals united in pursuit of common interest** یعنی معاشرہ ایسے افراد کا مجموعہ ہے جو کسی مشترکہ مفاد کی خاطر متحد ہو گئے ہوں۔ پس افراد کی محض اجتماعی حالت کو معاشرہ کا نام نہیں دیا جا سکتا بلکہ معاشرہ ایسے افراد کا مجموعہ ہے جن کا مقصود ایک ہو اور ان کے کردار میں یکسانی پائی جائے اور وہ یکسانی انہیں یہ شعور فراہم کرے کہ عمرانی اعتبار سے ہم ایک ہیں یہاں سے واضح ہوتا ہے کہ حیات اجتماعی کی تشکیل و تعمیر کچھ مادی اور معنوی لوازم اور عناصر کی مقتضی ہے جن کے بغیر کوئی بھی انسانی معاشرہ متشکل نہیں ہو سکتا۔ یہ اجزائے معاشرہ حسب ذیل ہیں۔

انسانی معاشرہ کے مادی عناصر

۱۔ افراد و طبقات: ۔معاشرہ ایک انسانی ادارہ ہے ۔جو افراد انسانی ہی سے تشکیل پاتا ہے ۔ افراد کے بغیر کسی معاشرہ کا تصور ہی ممکن نہیں کہ:

ملت از افراد می یابد نظام

تنظیمی اعتبار سے معاشرتی زندگی کے ہر شعبہ اور ہر پہلو کی ضروریات کی تکمیل کا اہتمام لازمی ہے کہ یہی حیات اجتماعی کی اساس تشکیل اور غایت اولین ہے اور اس کے لیے ہر شعبہ حیات سے وابستہ افراد اور طبقات کا وجود ناگزیر ہے ابن سینا نے نظام معاشرہ کے لیے تین طبقوں کا وجود لازمی گردانا ہے۔ جن میں باقی تمام طبقات بھی سمٹ آتے ہیں ایک المدبرون یعنی تنظیم حیات منزلی اور تدبیر کار ریاست سے متعلق افراد۔ دوسرے الصناع" یعنی معاشرے کی تمدنی ضروریات کے لیے صنعت، تجارت اور زراعت میں مصروف رہنے والے اور تیسرے یعنی نظام زندگی کا ہر اعتبار سے دفاع کرنے والے۔ اسلامی معاشرہ میں ان تمام طبقات کا وجود باعتبار افراد کے فرض کفایہ اور باعتبار تنظیم کے "اجتماعی فرض عین"[1] ہے۔

۲۔ خاندان ـــــ معاشرتی اکائی: ۔حیاتیاتی (Bio-Social) لحاظ سے انسانی معاشرہ مردوں اور عورتوں کی تین زندہ نسلوں (معمر/بالغ اور نوخیز) کا سائیکل ہوتا ہے ۔یہ تینوں نسلیں معاشرہ کی بنیادی اکائی یعنی خاندان میں ایک جگہ موجود ہوتی ہیں اس لحاظ سے خاندان معاشرتی ارتباط اور تعلقات کا نہایت اہم اور ممتاز ادارہ ہونے کے ناطے نہ صرف انسانی معاشرہ کا ایک لازمی عنصر ہے بلکہ تہذیب و تمدن کے لیے بھی بنیادی اینٹ کی حیثیت رکھتا ہے اور چونکہ معاشرہ اپنی تکوین و تنظیم میں مختلف خاندانی اکائیوں ہی کا مجموعہ ہے اس لیے معاشرہ کی قوت و ضعف اور ارتقاء و انحطاط کا انحصار انہی بنیادی اکائیوں کی مضبوطی اور کمزوری پر ہے۔

---

[1] یعنی انفرادی طور پر ہر فرد معاشرہ کے لیے جملہ مصالح امت کی تکمیل فرض کفایہ کی حیثیت رکھتی ہے لیکن اجتماعی طور پر ان مصالح ملت کی تکمیل فرض عین ہے پوری امت پر جیسے " وجوب نصب الامام" کے حوالے سے سمجھا جا سکتا ہے۔

۳۔ **اداراتی تنظیم**:۔ انسانی معاشرے کو مختلف اداروں کی صورت میں باقاعدہ طور پر منظم کرنا معاشرتی تشکیل کے لیے ناگزیر ہے تاکہ انسان کی معاشرتی زندگی کے ہر شعبہ کا اپنا عمل اور تمام شعبہ جات کی باہمی سرگرمیاں باہم مربوط اور منضبط ہو سکیں۔ کیونکہ معاشرہ درحقیقت مختلف طبعی اختیاری اداروں اور افراد کی سرگرمیوں ہی سے متشکل ہوتا ہے۔ پس معاشرہ کا ایک لازمی مادی عنصر اداراتی تنظیم ہے جس کے بغیر معاشرتی مقاصد اور اعمال کی تکمیل ممکن نہیں۔

معاشرتی تشکیل کے معنوی لوازم

۱۔ **عمرانی وحدت کی اساس**:۔ انسانی معاشرہ کی تشکیل و تعمیر کا اولین معنوی عنصر جس کے بغیر حیات اجتماعی کا تصور بھی ممکن نہیں، افراد کے ایک ہونے کی اساس و بنیاد کا تعین ہے۔ جس کے حوالے سے تمام افراد معاشرہ خود کو ایک وحدت میں منسلک اور قوت واحدہ متصور کرنے لگیں عمرانی وحدت کی یہ اساس مختلف معاشروں میں مختلف ہوا کرتی ہے۔ جیسا کہ آگے بیان ہوگا۔

۲۔ **وحدت نصب العین**: کسی معاشرہ کا معرض وجود میں آنا باقی رہنا اور فروغ و استحکام پانا وحدت نصب العین کے بغیر ناممکن ہوتا ہے کیونکہ حقیقی زندگی دراصل نصب العین کے شعور اور اس کے حصول کی جدوجہد سے عبارت ہے۔ پس معاشرتی زندگی کا اصل خمیر اجتماعی نصب العین کے تعین سے اٹھتا ہے جس سے تمام افراد معاشرہ کی وفاداریاں، قوتیں اور کوششیں سمٹ کر ایک نقطہ پر مرکوز ہو جاتی ہیں۔

۳۔ **عمل اور سعی تکمیل**:۔ افراد معاشرہ کے لیے اجتماعی نصب العین کا تعین اور اجتماعی شعور کی بیداری بھی مقصود بالذات نہیں بلکہ اس نصب العین کی تحصیل اور ترقی[1] و تکمیل

---

[1] ترقی معاشرتی زندگی میں ایسے تغیر و تبدل کا نام ہے جو افراد معاشرہ نے کسی مقصد اور نصب العین کی تکمیل میں اپنی انفرادی یا اجتماعی سعی و کوشش سے پیدا کیا ہو اور جس سے انسانی زندگی، انفرادی اور اجتماعی طور پر پہلے کی نسبت بہتر، زیادہ خوشحال (مادی فکری اور روحانی ہر اعتبار سے) اور حیات پرور بن جائے۔

کی خاطر افراد کی انفرادی اور اجتماعی جدوجہد ہی معاشرتی زندگی کی بقاء اور استحکام کی اصل ضامن ہے اقبال نے سچ کہا ہے کہ "قوموں کی زندگی کا راز اس جدوجہد میں مضمر ہے کہ اپنا وجود ملّی قائم رکھیں اور نہ بھولیں کہ ان کا اپنا ایک نصب العین ہے[۵]"۔ اور یہ کہ زندگی عبارت ہے۔ اغراض و مقاصد کی تشکیل، ان کی پے درپے تبدیلی اور کارفرمائی یعنی سعی تکمیل[۶] سے" کہ

زندگی در جستجو پوشیدہ است　　اصل او در آرزو پوشیدہ است
زندگی جہد است و استحقاق نیست　　جز بعلم انفس و آفاق نیست

پس معاشرتی زندگی کا ایک لازمی معنوی عنصر اجتماعی نصب العین کی تکمیل کے لیے انفرادی اور اجتماعی، فکری اور عملی جدوجہد اور تگ و تاز ہے جس کے بغیر معاشرتی تنظیم بہرحال اُدھوری ہی رہتی ہے۔ یہ تھے انسانی معاشرہ کی تشکیل و تعمیر کے مادی اور معنوی لوازمات، لیکن یہ حقیقت بھی واضح اور عیاں ہے کہ انسانیت مختلف معاشروں میں منقسم ہے۔ اور ہر معاشرہ اپنے ان مادی اور معنوی عناصر کی ماہیت، نوعیت اور خصائص کے لحاظ سے دوسرے معاشروں سے مختلف اور ممتاز حیثیت رکھتا ہے چنانچہ انبیائی معاشرے، غیر انبیائی سوسائٹیوں سے یقیناً مختلف ہوتے ہیں اور آخری آفاقی ہدایت ربانی سے تشکیل پانے والا اسلامی معاشرہ دیگر تمام سوسائٹیوں سے یکسر ممتاز اور منفرد ہے ؎

اپنی ملت پر قیاس اقوامِ عالم سے نہ کر　　خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمی

اسلامی معاشرہ کے بنیادی خصائص و امتیازات: اسلامی معاشرہ حسب ذیل اعتبارات سے دیگر تمام معاشروں سے امتیاز رکھتا ہے۔

---

[۴] تکمیل (Achievement) مسلسل کام، محنت و مشقت اور ان تھک تگ و دو کے ذریعہ اپنے مقصد یا نصب العین (انفرادی یا اجتماعی) کو حاصل کر لینے سے عبارت ہے تکمیل زندگی اور معاشرہ کی ایک فطری اور دائمی ضرورت ہے۔

[۵] اقبال کے حضور صفحہ ۴۸۔

[۶] اقبال۔ خطبات صفحہ ۸۴۔

اوّلاً۔ تشکیلی امتیازات

۱۔ ایمان اساس وحدت :۔ مختلف انسانی معاشروں میں عمرانی وحدت کی اساس یعنی وہ قوت جو لوگوں کے درمیان یکتائی اور انفرادیت کا روحانی جذبہ پیدا کر کے انہیں ایک لڑی میں پروتی ہے۔ مختلف تصورات ہوا کرتے ہیں مثلاً اتحاد نسل، اشتراک لسان، جغرافیائی وحدت اور معاشی و سیاسی مقاصد میں اشتراک وغیرہ لیکن یہ امتیاز[2] حقیقی طور پر صرف اسلامی معاشرہ ہی کو حاصل ہے کہ اسکی بنائے وحدت اور اساس تشکیل ازاول تا آخر صرف اور صرف[1] وحدت ایمان و دین ہے۔ اقبال کہتے ہیں۔ "قومیت کا اسلامی تصور دوسری اقوام کے تصور سے بالکل مختلف ہے۔ ہماری قومیت کا اصل اصول نہ اشتراک زبان ہے نہ اشتراک وطن نہ اشتراک اغراض اقتصادی، بلکہ ہم اس برادری میں جو جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم فرمائی تھی۔ اس لیے شریک ہیں کہ مظاہر کائنات کے متعلق ہم سب کے معتقدات کا سرچشمہ ایک ہے اور جو تاریخی روایات ہم سب کو ترکے میں پہنچی ہیں وہ بھی ہم سب کے لیے یکساں ہیں[3]"

بنا ہمارے حصار ملت کی اتحاد وطن نہیں ہے   نرالا سارے جہاں سے اسکو عرب کے معمار نے بنایا

زین جہت با یک دگر پیوستہ ایم   دل بہ محبوب حجازی بستہ ایم

۲۔ زمانی و مکانی حدود سے ماورائیت : اسلام چونکہ ابدی اور آفاقی دین ہے اس لیے اس کی بنیاد پر تشکیل پانے والا معاشرہ بھی دیگر تمام انسانی معاشروں (انبیائی اور غیر انبیائی) کے برعکس زمانی اور مکانی حدود و قیود سے ماورا، ابدی اور عالمگیر معاشرہ ہے کہ

---

[1] اقبال بتصرف۔

[2] دیگر انبیائی معاشرے بھی اس امتیاز کے حقیقی رخ سے محروم ہیں کہ ان جملہ مذاہب سابقہ کا مخاطب ہی ایک مخصوص معاشرہ اور قوم ہوا کرتی تھی گو آگے چل کر وہ قوم اہل ایمان اور اہل کفر کے دو حصوں میں بٹ جایا کرتی مگر نسلی، جغرافیائی اور لسانی وحدت کے دائروں سے ہی میں محدود رہتی اور یوں ایک حد تک یہ دائرے اہل ایمان اور کفار کو باہم مربوط رکھتے تھے۔

[3] مقالات صفحہ ۱۲۰۔

مشرق و مغرب اور شمال و جنوب کا ہر مسلمان اسلامی معاشرہ کا فرد ہے۔ اور یہ معاشرہ جو افراد سے الگ ایک مستقل وجود اور زندگی رکھتا ہے۔ ابدی اور لافانی ہے کہ افراد تو مٹتے رہیں گے لیکن اسلامی معاشرہ کا وجود ختم نہیں ہوگا اقبال کہتے ہیں "قوم ایک جداگانہ زندگی رکھتی ہے۔ یہ خیال کہ اس کی حقیقت اس سے زیادہ نہیں کہ یہ اپنے موجودہ افراد کا محض مجموعہ ہے اصولاً غلط ہے .... قوم اپنے موجودہ افراد کا مجموعہ ہی نہیں ہے بلکہ اس سے بہت کچھ بڑھ کر ہے، اس کی ماہیت پر اگر نظر غائر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ غیر محدود اور لامتناہی ہے"[۱]۔

۳۔ تنظیم معاشرہ کے ایمانی قواعد اور دینی ادارے مادی، محدود اور ناپائیدار بنیادوں پر متشکل ہونے والے انسانی معاشروں کے برعکس حقیقی دینی اساس پر استوار ہونے والے اسلامی معاشرہ کی تنظیم و ترقی کے جملہ اصول و مبادی اور قواعد و ضوابط بھی خود دین ہی کے عطا کردہ ہیں اور معاشرتی تنظیم کے جملہ ادارے مثلاً مسجد، مکتب، خانقاہ، ریاست، بیت المال وغیرہ بھی بنیادی طور پر دینی اور ایمانی ادارے ہیں جن کے مقاصد، اعمال اور سرگرمیاں سب ہی دینی رنگ میں رنگے ہوئے ہوتے ہیں کہ ارشاد خداوندی "اُدْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً"[۲] کا یہی تقاضا ہے۔ یوں دیگر معاشروں کی ہر لحظہ تغیر پذیر تنظیم اور ناپائیدار اداروں کے برعکس اسلامی معاشرہ ہر اعتبار سے پختگی، ثبات اور استقلال کا آئینہ دار ہے۔

ثانیاً۔ نصب العینی امتیازات :۔ جغرافیائی، نسلی اور معاشی و سیاسی وفاداریوں پر مبنی انسانی معاشروں کا نصب العین بھی انہی محدود وفاداریوں کا آئینہ دار ہوتا ہے، اس کے برعکس ابدی اور آفاقی دینی تصور پر مبنی اسلامی معاشرہ کا اجتماعی نصب العین بھی ابدی، آفاقی اور لامحدود ہے۔ جو عبارت ہے۔ ایمان کے تقاضوں کی تکمیل، دین کی سیادت و اشاعت اور انسانیت کی خدمت و اصلاح سے ارشاد خداوندی ہے۔

---

[۱] مقالات صفحہ ۱۱۸ ۔ [۲] البقرہ ۲۰۸:

الذین ان مکناھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ وامروا بالمعروف و نھوا عن المنکر"[1] اور" ھو الذی ارسل رسولہ بالھدی ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ"[2] اور" کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر وتومنون باللہ"۔[3]

دین اسلام کا بنیادی انسانی مقصد[4] مصالح خمسہ یعنی دین، نفس، فعل، عقل اور مال کی ہمہ جہتی حفاظت ہے اور اسلامی معاشرہ کا ہر فرد خلیفۃ اللہ ہونے کے ناطے انفرادی اور اجتماعی طور پر ان مصالح خمسہ کی حفاظت کے لیے سعی مسلسل اور پیہم تگ و دو کا پابند ہے۔ یوں اسلامی معاشرہ کا انسانی نصب العین ہر فرد معاشرہ (مرد و عورت) کے ایمان، جان، عزت و آبرو، عقل اور مال، اور اجتماعی طور پر معاشرہ کی مجموعی ایمانی قوت، ملی تشخص و استقلال قومی تقدس و آبرو، اجتماعی فکری و نظریاتی اقدار اور قومی معاشی استقلال کا تحفظ اور استحکام ہے۔ اس حقیقت کو بڑی وضاحت کے ساتھ امام شاطبی نے الموافقات میں ج ۲ ص ۱-۶ اور ص ۳۲-۳۱ پر بیان فرمایا ہے۔ یہاں طوالت کے خوف سے انہی اشارات پہ اکتفا کیا جاتا ہے۔

---

[1] الحج: ۴۱

[2] التوبۃ: ۳۳

[3] آل عمران: ۱۱۰

[4] اسلام (دین و شریعت) کے مقاصد و غایات بنیادی طور پر دو قسم کے ہیں۔ الوہی اور انسانی۔ الوہی مقاصد وہ ہیں جن کا تعلق بنیادی طور پر حقوق اللہ کی تکمیل، رشتہ عبودیت کے استحکام اور حیات اخروی کی صلاح سے ہے جبکہ انسانی مقاصد کا تعلق بنیادی طور پر معاشرتی تنظیم، تمدن کے قیام و استحکام اور حیات دنیوی کی اصلاح و تعمیر سے ہے۔

ثالثاً۔ کرداری خصائص و امتیازات

۱۔ یکسانی فکر و عمل۔ اسلامی معاشرہ کا خمیر "وحدت ایمان" سے اٹھایا گیا ہے جس کا لازمی نتیجہ فکری و عملی یکسانی اور معاشرتی اتحاد و یگانگت ہے۔ یہ وحدت و تضامن اور یکسانی فکر و عمل تمام افراد، معاشرتی اداروں، سرگرمیوں اور حیات اجتماعی کے جملہ مظاہر و آثار میں نمایاں ہوتی ہے۔ ارشاد خداوندی "ان ھذہ امتکم امۃ واحدۃ"[1] اور "واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا"[2] اور "وان ھذا صراطی مستقیما فاتبعوہ ولا تتبعوا السبل فتفرق"[3] میں اسی اٹل معاشرتی حقیقت کا بیان ہے۔ یہ اجتماعی یکسانی اور اتحاد و تضامن زندگی پر بہت گہرے اور پائیدار اثرات چھوڑتا ہے۔ جن کے بیان سے خوف طوالت مانع ہے تاہم ان میں سے اہم اور اساسی اثرات کا بیان آگے آ رہا ہے۔

۲۔ احترام انسانیت:۔ اسلامی معاشرہ دو بنیادی اصولوں پر قائم ہے۔ ایک تمام نسل انسانی کی وحدت و اخوت اور دوسرے اس وحدت کے استحکام کیلئے روحانی حوالے کی ضرورت۔ ارشادی باری تعالیٰ ہے۔ "یا ایھا الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدۃ"[4] وحدت انسانی کے اس آفاقی تصور اور اخوت اسلامی کی داخلی روح سے، جو اسلامی معاشرہ کے تمام اعمال و مظاہر میں منعکس ہے، انسانی شرف و تکریم اور احترام آدمیت کا اصول ابھرتا ہے جو بقول ارشاد باری "ولقد کرمنا بنی آدم وحملناھم فی البر والبحر ورزقناھم من الطیبت وفضلناھم علی کثیر ممن خلقنا تفضیلا"[5] معاشرہ کے ہر فرد کا

---

[1] الانبیاء: ۹۲

[2] آل عمران: ۱۰۳

[3] الانعام: ۱۵۴

[4] النساء: ۱

[5] بنی اسرائیل: ۷۰

مساوی حق بھی ہے اور فرض بھی کہ اسلامی معاشرہ میں ہر ایک شخص کی جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت پوری انسانیت کی حفاظت و احترام ہے کہ

برتر از گردوں مقام آدم است　　　　اصل تہذیب احترام آدم است

۳۔ مساوات :- اسلامی معاشرہ کی بنیاد وحدت انسانی اور اخوت اسلامی (انما المومنون اخوۃ) کا لازمی نتیجہ وہ روح مساوات ہے جس کی نظیر دنیا میں نہیں ملتی چنانچہ اسلامی معاشرہ میں ہر قسم کے نسلی صنفی اور جغرافیائی امتیازات سے بالاتر ہو کر تقوٰی کو معیار فضیلت قرار دیا گیا ہے اور بنیادی انسانی ضرورتوں میں سب کے ساتھ برابر کا سلوک لازمی ٹھہرایا گیا ہے۔ قبائلی عصبیت، نسلی امتیازات اور گروہی احساسات کے خلاف اسلام نے جس عقیدے کو نافذ کیا اس کا اسلامی تاریخ پر بہت گہرا اثر ہوا اور یہ مساواتی مزاج بعض خاص وجوہ اور استثنائی حالات سے قطع نظر، ناقابل تردید طور پر مسلم معاشرہ میں ہر دور میں غالب رہا ہے۔ اقبال کہتے ہیں "اسلام ہی نے سب سے پہلے وحدت و مساوات انسانی پر زور دیا اور اسلام ہی نے اخلاقی اور اجتماعی ہر اعتبار سے اس کا کامل اور مکمل تصور قائم کیا لہٰذا اس کی حیثیت محض ایک خیال کی نہیں رہی بلکہ ایک مؤثر، فعال اور فیصلہ کن عنصر کی تاکہ بطور ایک حقیقت حیات، فرد اور معاشرے کی زندگی میں اس کا اظہار ایک عملی اور واقعی شکل میں ہوتا رہے"[۱]۔

تمیز رنگ و بو بر ما حرام است　　　　کہ ما پروردۂ یک نوبہاریم

۴۔ حریت :- وحدت انسانی اور احترام آدمیت کے تصور پر مبنی اسلامی معاشرہ کی ایک بنیادی خصوصیت حریت و آزادی ہے۔ ہر فرد اسلامی احکام کا براہ راست مخاطب ہونے کے باعث شخصی مسئولیت کے حوالے سے اسلامی معاشرہ میں اپنی ایک مستقل شخصیت اور جداگانہ وجود رکھتا ہے جس کا لازمی تقاضا آزادی ضمیر و اعتقاد، (لا اکراہ فی الدین) حریت فکر و اظہار رائے اور حریت املاک و تصرف ہے،

۱۔ اقبال کے حضور، صفحہ ۳۳۵ - ۵۳

یہ آزادی۔ ہر دور میں اسلامی معاشرہ کا وصف غالب رہا ہے۔ مقاصد شریعت کی تکمیل اور معاشرتی توازن کے قیام کی شرط سے مقید ہے۔

۵۔ توازن :۔ عالمگیر فطری قانون توازن جو نظام تکوین اور نظام تشریح دونوں میں جاری و ساری ہے، اسلامی معاشرہ اور حیات اجتماعی کی بھی ایک بنیادی خصوصیت ہے۔ فرد اور معاشرہ کے باہمی حقوق و فرائض اور تمام افراد معاشرہ اور طبقات کے باہمی حقوق و فرائض اور روابط و تعلقات میں توازن، فرد کے شخصی استقلال و حریت ذاتی اور معاشرتی جذبہ و رجحان کے مابین توازن و توافق اور انفرادی و اجتماعی زندگی کے مختلف پہلوؤں شعبوں کے تقاضوں کے اور ضروریات کے درمیان توازن پیدا کرنا ہر فرد معاشرہ کی انفرادی اور اجتماعی ذمہ داری ہے۔ امت مسلمہ امت وسط اور اسلامی معاشرہ معتدل معاشرہ ہے بفحوائے ارشاد خداوندی" وجعلناکم امۃ وسطا لتکونوا شہداء علی الناس "اس لیے اعتدال و توازن ہر دور میں اسلامی سوسائٹی کی بنیادی خصوصیت رہا ہے۔ یہ تھے اسلامی معاشرہ کے بنیادی خصائص اور جوہری امتیازات جو موضوع زیر نظر یعنی" اسلامی معاشرہ میں حیثیت نسواں" کے نظری اور عملی دونوں پہلوؤں کی وضاحت کے لیے بطور مسلمہ حقائق، اساسی اہمیت رکھتے ہیں۔

اسلامی معاشرہ میں حیثیت نسواں : اسلامی معاشرہ میں حیثیت نسواں کا تاریخی جائزہ دو پہلو رکھتا ہے۔ نظری اور عملی۔ ان دونوں جہتوں سے حیثیت نسواں کی وضاحت سے بیشتر، خود "حیثیت" کا حقیقی مفہوم متعین کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے تاکہ بحث کے کسی گوشے میں کوئی ابہام، احتمال اور پیچیدگی نہ باقی رہنے پائے۔

حیثیت نسواں کا حقیقی مفہوم :۔ عصر حاضر میں عورت کی حیثیت، اور مرتبہ و مقام کے بارے میں جس قدر ذہنی الجھاؤ، فکری اضطراب اور عملی ہیجان و تصادم پایا جاتا ہے۔ اس سب کی بنیاد یہ المیہ ہے کہ ہر طبقہ حیثیت نسواں کا اپنا ایک مخصوص مفہوم لے کر اس کے پیمانے سے حیات اجتماعی کی اصلاح و تعمیر کا داعی اور علمبردار ہے اور یوں راسخ العقیدہ اور تجدد پسند گروہ اس نظریاتی اختلاف کے

باعث مسلسل تصادم کا شکار ہیں اور افہام و تفہیم سے گریزاں۔ ایسے میں ضرورت اس امر کی ہے کہ "حیثیت" کا حقیقی، فطری اور عملی مفہوم طے کر کے اس کے حوالے سے حیات اجتماعی کی تعمیر و تنظیم کی کوشش کی جائے۔ چونکہ حیثیت نسواں کا وہ مفہوم فطری، حقیقی اور عملی ہوگا جو خود انسانی معاشرہ کے تشکیل عوامل، اور ہر معاشرہ کے امتیازی خصائص اور واضح عمرانی تصورات سے ابھرے اس لیے ہم نے اوپر کے صفحات میں انسانی معاشرہ کے اجزائے تشکیل، اور اسلامی معاشرہ کے جوہری خصائص بیان کئے ہیں کہ جن کی روشنی میں حیثیت نسواں کا حقیقی اسلامی مفہوم کچھ یوں متعین ہوتا ہے۔

۱۔ استقلال شخصیت:۔ معاشرہ افراد کا مجموعہ ہے جو ان کے باہمی مادی، معنوی اور روحانی روابط سے متشکل ہوتا ہے یوں اس معاشرتی اتحاد وارتباط میں ہر فرد کی اپنی جداگانہ شخصیت اور ذات مستقل طور پر قائم و باقی رہتی ہے یہ استقلال شخصیت جو اسلامی معاشرہ میں ہر مرد و عورت کو میسر ہے۔ فرد کے مقومات ذات، طبعی خصائص اور کرداری امتیازات اور فکری رجحانات کی حریت، حفاظت اور ترقی سے عبارت اور اس استقلال ذات کی بنیاد دراصل ہر فرد کی حریت فکر و ارادہ اور آزادئ عمل تصرف پر مبنی شخصی مسئولیت اور ذاتی ذمہ داری ہے، ارشاد خداوندی "من عمل صالحا فلنفسه ومن اساء فعلیها"[۱] اور "لا تزر وازرة وزر اخری"[۲] میں اسی ذاتی مسئولیت پر مبنی استقلال شخص کی ایک جہت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ حدیث پاک "کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیته" میں بھی اسی حقیقت کو اجاگر کیا گیا ہے۔ تاہم اس شخصی استقلال کا یہ معنی ہرگز نہیں کہ ہر فرد معاشرہ دیگر افراد سے منقطع ہو کر، اپنی ہی ذات میں مگن، نفسانی انانیت کا شکار اور ایثار و مودت کے جذبات سے محروم ہو جائے بلکہ بمقتضائے "والمومنون والمومنات بعضهم اولیاء بعض"[۳]

---

[۱] السجدہ: ۴۶

[۲] الانعام: ۱۶۴

[۳] التوبۃ: ۷۱

ہر فرد معاشرہ میں اجتماعی میلانات اور معاشرتی وحدت و تضامن اور باہمی مشاورت و تعاون سے بڑھ کر قلبی محبت و مودت اور ایثار و ہمدردی کا عملی مظاہرہ لازمی ہے اور درحقیقت شخصی استقلال کی روحانی اور نفسیاتی اساس ہی یہ ہے کہ ہر فرد اپنی داخلی قوتوں اور توانائیوں کو اجتماعی بھلائی کے لیے صرف کر کے دوسروں کو سکون و طمانینت اور راحت و سعادت بہم پہنچائے جیسا کہ علاقۂ زوجیت کی نفسیاتی اساس کے بارے میں فرمایا گیا:

"ومن آیاته ان خلق لکم من انفسکم ازواجا لتسکنوا الیها وجعل بینکم مودة ورحمة"[1]

پس اسلامی معاشرہ میں حیثیت نسواں کا اساسی جزو وہ استقلال شخصیت ہے جو زندگی کے ہر شعبہ اور ہر پہلو سے اسے حاصل ہے اور جو اسے شخصی مسئولیت کے حوالے سے ہر عمل میں ذاتی اعتماد اور خودداری عطا کرتا ہے۔ اور جو اسے معاشرتی زندگی میں شفقت ہمدردی، ایثار اور خدمت کی علامت بھی بنا دیتا ہے۔

۲۔ ادائے فرائض اور استعمال حقوق سے ابھرنے والی متوازن کیفیت معاشرتی حیثیت کا دوسرا بنیادی رخ ہر فرد اور طبقہ کی طرف سے اپنے جملہ انفرادی و اجتماعی فرائض و واجبات کی کماحقہ ادائیگی اور اپنے حقوق کے جائز اور ایثار شعارانہ استعمال سے ابھرنے والی وہ مجموعی نفسی کیفیت ہے۔ جو توازن و اعتدال، مصلحیت و مقصدیت اور ارتقاپذیری و کمال طلبی کی آئینہ دار ہو۔ پس اسلامی معاشرہ میں خواتین کی حیثیت متعین کرنے میں ان کی ادائیگی فرائض اور استعمال حقوق سے ابھرنے والی مجموعی نفسی کیفیت کا کردار بھی بنیادی ہے اور اس سلسلہ میں ان کے فرائض اور حقوق کا بیان بھی ناگزیر ہے تاہم یہاں اس حقیقت کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے کہ معاشرتی حقوق و فرائض میں اضافیت اور نسبیت پائی جاتی ہے یعنی ہر فرد اور ہر طبقہ کے فرائض بھی دوسرے طبقہ سے مختلف ہیں اور حقوق بھی ماسوا بنیادی انسانی ضرورتوں اور کفالتوں کے، کیونکہ ہر فرد اور طبقہ کے حقوق و فرائض اس کی شخصی استقلال یعنی طبعی خصائص، تخلیقی امتیازات اور معاشرتی کرداری دائرہ کے

---

[1] الروم: ۲۱

حوالے سے ہی متعین ہوتے ہیں۔ مثلاً ایک بچے کے حقوق و فرائض ایک بالغ سے مختلف ہیں اور عورت کے مرد سے، اس طرح صنعت پیشہ زراعت پیشہ اور تجارت پیشہ طبقات کے معاشرتی حقوق و فرائض ایک دوسرے سے مختلف ہیں اور طبقہ اہل علم و فکر کے ان سب سے مختلف،(تفصیلات کی یہاں گنجائش نہیں، اہل فہم کے لیے اشارہ ہی کافی ہے) اور یہیں سے مساوات فی الحقوق و الفرائض کا حقیقی مفہوم بھی عیاں ہو جاتا ہے جو عبارت ہے اس سے کہ معاشرہ کے ہر فرد و طبقہ کو اس کے مخصوص اور جداگانہ حقوق کے استعمال اور فرائض کی تکمیل کی مساوی آزادی اور برابر مواقع میسر ہوں اور یوں مساوات کا یہ عصری مفہوم کہ ہر فرد اور طبقہ کو ہر حال میں، از اوّل تا آخر ایک ہی جیسے حقوق حاصل ہوں اور ایک سے فرائض سب پر عائد ہوں، غلط (ماسوا بنیادی انسانی ضرورتوں کے) ہو کر رہ جاتا ہے۔ اور ساتھ ہی یہ شور و غوغا بھی بے بنیاد ہے کہ مرد و عورت کو ہر شعبہ زندگی میں یکساں اور ایک سے حقوق ملنے چاہئیں۔

۳۔ صنفی اور گروہی استحقاقات:۔ اور یہیں سے معاشرتی حیثیت کے تعین کا تیسرا پہلو بھی سامنے آجاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ معاشرہ میں ہر طبقۂ افراد کو اس کے طبعی، کرداری اور جذباتی امتیازات کے حوالے سے کچھ خصوصی معاشرتی عنایات اور استحقاقات ملنے چاہئیں مثلاً اہل علم و فضل کو شرف و تکریم کا اعلیٰ اعزاز، محنت کش طبقہ کو خصوصی قدر و اجر کا استحقاق، طبقہ نسواں کو لطیف جذباتی عنایت و التفات اور بچوں کو شفقت و رعایت اور حسن تربیت اور طبقۂ اشرار پر شدت و تنبیہ اور مسلسل نگرانی وغیرہ ایسے استحقاقات ہیں جو طبقاتی اور صنفی امتیازات پر مبنی ہیں اور ہر طبقہ کی معاشرتی حیثیت کے تعین میں بنیادی

ســـ۱۵ اس سلسلہ میں علامہ شاطبی نے موافقات جلد اول صفحہ ۱۷۹، ۱۸۰ پر تقسیم فرائض کا یہ معاشرتی اصول بیان فرمایا ہے کہ مختلف افراد میں ودیعت فطری صلاحیتیں اور استعدادات تعلیم و تربیت" ذریعہ نمو پاکر جب اجاگر ہوتی ہیں تو وہ مختلف نوعیت کے اعمال و مصالح کی تکمیل کے لیے تیار ہوتی ہیں ایک طبقہ افراد اگر ریاست و اقتدار اور کار حکومت چلانے کا اہل ہوتا ہے تو دوسرا طبقہ صنعت و حرفت کے لیے موزوں اور تیسرا علمی و فکری تحقیقات کے لیے سازگار پس شرعی احکام و فرائض بھی ہر طبقہ کے مناسب حال عائد ہوتے ہیں۔

کردار ادا کرتے ہیں۔

۴۔ عمل و تکمیل کے مساوی مواقع :۔ اوپر معنوی اجزائے معاشرہ کے بیان میں ہم کہہ آئے ہیں کہ اجتماعی نصب العین کی تحصیل اور تکمیل کی خاطر افراد کی انفرادی اور اجتماعی جد و جہد ہی معاشرتی زندگی کی بقاء اور استحکام کی ضامن ہے۔ یوں افراد کی معاشرتی حیثیت کے "تعین کا تیسرا پہلو یہ ہے کہ طبعی اور اہلیتی امتیازات کے مطابق ہر فرد اور طبقہ کو اس کے مخصوص دائرہ کار میں عمل اور ترقی و تکمیل کے مساوی مواقع اور سہولتیں مہیا ہوں یعنی اہل علم و فکر کو جس قدر سہولتیں علم و فضل میں ترقی کے لیے میسر ہوں اس قدر سہولتیں اہل صنعت و حرفت کو فنی ترقی کے لیے ارزاں ہوں، اس طرح مردوں کو ان کے مخصوص دائرہ کار میں ترقی و کمال کے جتنے مواقع مہیا ہوں اتنے ہی مواقع عورتوں کو ان کے اپنے مخصوص دائرہ عمل میں میسر ہوں۔ اور یہی ہے مساوات کا حقیقی مفہوم جو نوعیتی تفریق و امتیاز کے باوصف کمیت و کیفیت میں برابری سے عبارت ہے۔

یہ تھے معاشرتی حیثیت کے حقیقی اسلامی مفہوم کے بعض بنیادی اجزاء اور پہلو جن کی رو سے حیثیت نسواں کا مجموعی مفہوم یہ ابھرتا ہے کہ انہیں معاشرہ میں دیگر تمام افراد کی طرح شخصی استقلال جو ذاتی مسؤلیت اور خودداری پر مبنی ہے حاصل ہو، اپنے مخصوص دائرہ عمل میں ترقی و تکمیل کے اتنے ہی مواقع اور سہولتیں میسر ہوں جتنی مردوں کو ان کے اپنے دائرہ کار میں میسر ہیں ان کے معاشرتی حقوق و فرائض، ان کے طبعی امتیازات اور صنفی اختصاصات سے متناسب ہوں، ادائیگی فرائض اور

ٰ۵ ایک ترقی پسند مصنف مظہر الحق خاں صاحب نے "پردہ اور تعدد ازدواج" کے نام سے کتاب لکھی ہے جس میں بزعم خویش پردہ سسٹم کو ہم اصولوں پر محیط اسلامی معاشرہ کی مسلسل زبوں حالی اور انحطاط کا سائنٹیفک سبب قرار دیا ہے موصوف کے اس سارے مزعومہ سائنٹیفک تجزیہ و تنقید کی بنیادی یہی غلطی تھی کہ وہ ترقی اور تکمیل کے عمل میں طبعی و استعدادی امتیاز پر مبنی نوعیتی تفریق کی حقیقت سمجھنے سے قاصر رہے اور معاشرتی ترقی و تکمیل میں مرد و زن کے بے بنیاد مساوی کردار کا غلط تصور قائم کر بیٹھے۔

جائز استعمال حقوق سے ابھرنے والی مجموعی نفسی کیفیت (قریب بہ تقویٰ) ان کے شرف و تکریم کی اساس ٹھہرے اور انہیں دیگر معاشرتی طبقات کی طرح تمام صنفی رعایات اور خصوصی استحقاقات بھی حاصل ہوں۔ اب ہم حیثیت کے مذکورہ مفہوم کی روشنی میں اسلامی معاشرہ میں حیثیت نسواں کا نظری اور عملی ہر دو پہلوؤں سے جائزہ لیں گے۔

اولاً۔ اسلامی معاشرہ میں حیثیت نسواں کا نظری پہلو:۔ اسلامی معاشرہ میں عورت کی چہار گانہ حیثیت (مذکورہ مفہوم کی روشنی میں) کے بیان سے پہلے معاشرہ کی تعمیر و تہذیب، تنظیم و تکمیل اور اجتماعی نصب العین کی تحصیل میں عورت کے بنیادی کردار کی مختصر وضاحت ضروری ہے تاکہ سابقہ بحث کی روشنی میں حیات اجتماعی میں عورت کا اصل مقام و کردار متعین کرنے کے بعد اسلامی معاشرہ میں اس کی چہار جہتی حیثیت کی حقیقی اہمیت واضح کی جا سکے۔

۱۔ معاشرہ میں عورت کا تعمیری تنظیمی اور غایتی کردار:۔ انسانی معاشرہ میں بالعموم اور اسلامی معاشرہ میں بالخصوص عورت کے تعمیری و تہذیبی، تنظیمی و تکمیلی اور نصب العین کردار کی وضاحت، جیسا کہ عنوان سے ظاہر ہے تین پہلو رکھتی ہے۔

ا۔ معاشرہ کی تعمیر و ترقی اور تہذیبی ارتقاء میں عورت کا مقام:۔ شروع میں ہم بیان کر آئے ہیں کہ معاشرہ افراد سے تشکیل پاتا ہے اور افراد کے بغیر کوئی معاشرہ اور کوئی تہذیب و تمدن وجود میں نہیں آسکتا اور یہ ظاہر ہے کہ طبقہ نسواں نہ صرف معاشرہ کو افرادی قوت مہیا کرتا ہے بلکہ نسل انسانی کی بقاء و استمرار کے لیے عورت ہی بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔ کیونکہ معاشرہ خاندان سے تشکیل پاتا ہے اور خاندان کے ذریعہ بڑھتا، پھولتا اور پھلتا ہے۔ اور خاندان کا وجود مرد و عورت دونوں کا یکساں رہین منت ہے۔

عائلی زندگی کے بارِ گراں کو سنبھالنے اور اس کے نشیب و فراز میں مرد و عورت، ایک دوسرے کے معاون و مددگار ہوتے ہیں اور حیاتِ عائلی کی صحت و استحکام ہی اجتماعی زندگی اور نظام معاشرہ بلکہ نظام عالم انسان کی جڑ ہے، یوں مرد و عورت کی صنفی وابستگی اور سماجی و نفسیاتی تعلق ہی تہذیب و تمدن کی اساس و بنیاد ہے اور اسی تعلق کی قوت و ضعف پر

تمدّن کی صلاح و فساد اور استحکام و اختلال کا انحصار ہے سہ

مرد و زن وابستۂ یک دیگراند   کائنات شوق را صورت گراند

(اقبالؒ)

سید قطبؒ کہتے ہیں: "صنفی تعلق تمدّن، اقتصاد اور تقسیمِ دولت کی بنیاد ہے اور اسی تعلق پر انسانیت کے وسیع اور گوناگوں پہلوؤں میں اخلاق کی تعمیر ہوتی ہے[۱]" اس حقیقت کی توضیح مولانا مودودیؒ کے اس قول سے ممکن ہے کہ: "خاندان ہی وہ ادارہ ہے جس میں ایک نسل اپنے بعد آنے والی نسل کو انسانی تمدّن کی وسیع خدمات سنبھالنے کے لیے نہایت محبت، ایثار، دلسوزی اور خیر خواہی کے ساتھ تیار کرتی ہے، اس بناء پر یہ ایک حقیقت ہے کہ خاندان انسانی تمدّن کی جڑ ہے اور اس جڑ کی صحت و طاقت پر خود تمدّن کی صحت و طاقت کا مدار ہے[۲]"

معاشرہ دراصل انسان کی زندگی کا تشکیلی عمل ہے جس میں افراد، طبقات اور گروہ اپنی انفرادی اور اجتماعی ضروریات کی تکمیل کے لیے ضروری مفید اور سازگار حالات اور مواقع پیدا کرتے ہیں، معاشرہ کے اس تشکیلی اور تکمیلی عمل میں مردوں اور عورتوں کے فطری، سماجی اور نفسیاتی تعلقات کے علاوہ ان ہر دو صنفوں کے رجحانات، صلاحیتیں اور اعمال فیصلہ کن رول ادا کرتے ہیں۔ پس ہر معاشرہ کی تکوین و تشکیل اس کے تکمیلی افراد و طبقات کی باہم جد و جہد، مسلسل ترقیات اور تکمیلات (Achievements) کا نتیجہ ہوتی ہے۔

تمدّن ان تکمیلات کی مادی تنظیم اور اجتماعی زندگی کی ترقی یافتہ صورت کا نام ہے اور تہذیب اس تکمیلاتی ترقی کی روحانی یا نفسیاتی صورت ہے جو عموماً کسی خاص قوم کی معاشرت سے ظہور پذیر ہوتی ہے اور سوسائٹی کے مجموعی فکر و عمل سے نمودار ہونے والے آثار و مظاہر کی صورت تمدّن کی ذہنی اور داخلی وحدتِ فکر و میلان کو اجاگر کرتی ہے۔

بہرصورت اس سارے تہذیبی اور تمدّنی عمل و تکمیل میں مرد و عورت کی صنفی اور روحانی وابستگی پر مبنی ادارے خاندان کی حیثیت خشتِ اوّل کی سی ہے، یوں مرد و عورت دونوں تہذیب کے

۱؎ سید قطب: اسلام اور مغرب کے تہذیبی مسائل ص۳۳ ۲؎ مودودی: اسلام کا نظامِ حیات ص۳۰

معمار ہیں بلکہ حیاتِ عائلی کی نشو و ارتقاء، نسلِ نو کی اُٹھان اور تکمیلِ افراد کی تیاری میں عورت کا "مادرانہ کردار" تہذیب و تمدن کے قیام و تکمیل میں اس کی اہمیت فروں تر کر دیتا ہے۔ اسی لیے فارابی کے مطابق "جس گھر میں نیک اور تعلیمیافتہ ماں ہوتی ہے وہ گھر انسانیت اور تہذیب کی یونیورسٹی ہے"، اور بقول اقبالؒ "وہ قوم اور معاشرے کی خالق ہے"۔ ؎

زن نگہ دارندۂ نارِ حیات   فطرتِ اُو لوحِ اسرارِ حیات
در ضمیرش ممکناتِ زندگی   از تب و تابش ثباتِ زندگی

اور ؎   جہاں را محکمی از امہات است   نہادِ شاں امینِ ممکنات است

پس یہ حقیقت ہے کہ عورت انسانیت کا نصف اور معاشرے کا وہ ناگزیر عنصر ہے جس کی حیثیت، کردار و عمل اور حیات بخش صلاحیتوں کی تعمیر و ترقی اور تہذیب و تمدن کے قیام و تکمیل کا سامان ہیں، قومیں اس کی گود میں پھولتی پھلتی اور پروان چڑھتی ہیں۔ زندگی کی بقاء و استحکام اور کائناتِ عالم کی رعنائی و زیبائش اسی کے وجود ذات سے ہے ؎

وجودِ زن سے ہے تصویرِ کائنات میں رنگ   اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوزِ دروں
شرف میں بڑھ کے ثریا سے مشتِ خاک اس کی   کہ ہر شرف ہے اسی درج کا درِ مکنوں

ب: معاشرتی تنظیمی ادارے اور عورت

ہم شروع میں یہ طے کر آئے ہیں کہ معاشرتی تشکیل کے لیے اداراتی تنظیم ناگزیر ہے کیونکہ اس کے بغیر اجتماعی مقاصد و اعمال کی تکمیل ممکن نہیں، اور یہ بھی بتایا جا چکا ہے کہ معاشرہ کی تکوین و تنظیم کی بنیادی اکائی اور خشتِ اوّل خاندان ہے جو حیاتِ اجتماعی کا اوّلین ادارہ ہے۔ اس کی بناء مرد و عورت کے ملاپ سے پڑتی ہے۔ یہی صنفی وابستگی ان کی انفرادیت کو اجتماعیت میں تبدیل کرتی ہے اور انتشار و انحراف کے میلانات کو دبا کر انہیں تمدن کا خادم بناتی ہے۔ عائلی زندگی کے دو بنیادی مقاصد ہیں۔ ایک محدود دائرے میں جسمانی اور نفسیاتی ثبات و استقرار کی فضا پیدا کرنا جس میں نئی نسلیں پاکیزہ اخلاق، اعلیٰ تربیت اور صحیح تعمیرِ سیرت کے ساتھ پروان چڑھ سکیں، اور دوسرے انحراف و اضطراب کے محرکات و عوامل کا قلع قمع کر کے حسنِ تنظیم اور یکجہتگیٔ ارتباط کے ساتھ معاشرہ کی تہذیبی عمارت استوار کرنے میں بنیادی کردار ادا کرنا۔

ان دونوں بنیادی مقاصد کی تکمیل میں عورت کے عائلی اور تہذیبی کردار کی طرف اوپر اشارہ کیا جا چکا ہے، حقیقت یہ ہے کہ نسلِ نو کی نشو و نما اور تربیت و تعمیر سیرت کا انحصار اور تہذیبی اُٹھان اور تمدنی ارتقاء کا مدار عورت ہی پر ہے ؎

سیرت فرزندها از امهات — جوہر صدق و صفا از امهات

اور ؎ از امومت پختہ تر تعمیر ما — در خط سیمائے او تقدیر ما

یہی وجہ ہے کہ ابتدائے آفرینش سے ہر معاشرہ میں عورت کی بنیادی وابستگی خاندان سے رہی اور ہر دور میں اس کے وظائف، مقاصد اور سرگرمیوں کا محور حیاتِ عائلی کو ٹھہرایا گیا ہے۔ لیکن جب کوئی معاشرہ فرد کو کسی اجتماعی شعبہ سے وابستہ کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ وہ دوسرے تمام اداروں سے اپنا ناطہ توڑ لے کیونکہ تعلیمی، فنی اور سماجی سبھی ادارے بظاہر جُدا جُدا معلوم ہوتے ہیں لیکن دراصل یہ ایک ہی ہیئت اجتماعیہ کے مختلف اجزاء ہیں اور باہم مربوط و متناسق ہیں اور ہیئتِ اجتماعیہ ان سب کی محتاج، کیونکہ ان میں کوئی بھی ادارہ معاشرتی زندگی کے تمام تقاضوں کی تکمیل نہیں کرتا بلکہ ان کی تکمیل سبھی اداروں کے اشتراکِ عمل سے ہوتی ہے، چونکہ ہر فرد کی تمدنی ضروریات پورے معاشرے میں پھیلی ہوتی ہیں اس لیے اپنی متنوع ضروریات کی تکمیل کی خاطر اُسے تمام معاشرتی اداروں سے وابستہ ہونا پڑتا ہے یہی حال عورت کا ہے کہ وہ بنیادی طور سے خاندانی زندگی کو اپنی سرگرمیوں کا محور و مرکز بنانے کے باوجود دیگر سماجی اور تمدنی اداروں سے منقطع ہو کر نہیں رہ سکتی بلکہ مختلف سماجی، اقتصادی، سیاسی اور مذہبی اداروں میں اپنا بھرپور کردار ادا کرتی ہے۔

ج۔ اجتماعی نصب العین کی تحصیل و تکمیل میں عورت کا حصہ

شروع میں بیان کیا گیا ہے کہ معاشرتی زندگی کا خمیر اجتماعی نصب العین کے تعین سے اُٹھتا ہے اس کے بغیر معاشرہ کا تصور ہی ممکن نہیں۔ اور اس اجتماعی نصب العین کی تحصیل و تکمیل کے لیے تمام افراد و طبقات معاشرہ کی انفرادی اور اجتماعی تگ و تاز ہی درحقیقت معاشرتی زندگی کی بقاء و استحکام کی ضامن ہے۔ معاشرہ کا بنیادی اور ناگزیر عنصر ہونے کی حیثیت سے اجتماعی نصب العین کی تحصیل

میں عورت کا حصّہ مرد سے کسی طرح کمتر نہیں بلکہ تاریخ کی واقعاتی اور حیاتیاتی شہادت کی رُو سے ہر معاشرہ کی تجمیل غایت میں عورت کا حصّہ مرد سے فزوں تر رہا ہے۔ معاشرہ کا نصب العین اگر حق کا فروغ اور ایمانی تقاضوں کی تکمیل ہو تو عورت اس میں مرد کے شانہ بشانہ ہے' ارشادِ خداوندی ہے:" والمؤمنون والمؤمنات بعضهم اولياء بعض يأمرون بالمعروف وينهون عن المنكر ويقيمون الصلوٰة ويؤتون الزكوٰة ويطيعون الله ورسوله[1] (الآیۃ) اور اگر معاشرہ کا مقصد باطل کی ترقی واستحکام اور دینِ حق کی مخالفت ہو تو بھی عورت مرد کے ساتھ برابر کی شریک، فرمایا: المنافقون والمنافقات بعضهم من بعض يأمرون بالمنكر وينهون عن المعروف ويقبضون ايديهم[2] (الآیۃ) جملہ انبیائی معاشروں کا بلکہ غیر انبیائی معاشروں کا بھی۔ انسانی نصب العین مصالح خمسہ یعنی نفس، مذہب (دین)، نسل، عقل اور مال کی حفاظت کر رہا ہے۔

علامہ شاطبی و غزالی وغیرہ نے تصریح کی ہے کہ: انها اى المصالح الخمسة ـ مراعاة فى كل ملة[3] "، یعنی ان مصالح خمسہ کی حفاظت ہر قوم و ملت کا مقصد رہی ہے' ان مصالح خمسہ کی حفاظت میں عورت کا کردار بڑا بنیادی ہے۔ نفسِ انسانی کی حفاظت تو درکنار، تخلیق ہی عورت کی رہینِ منت ہے۔

مولانا رومؒ کہتے ہیں کہ انسان نائبِ الٰہی ہونے کی وجہ سے صفاتِ کمالیہ الٰہیہ کا مظہر ہے لیکن ان صفات میں سے صفتِ تخلیق کا مظہر مرد سے کہیں زیادہ عورت ہے، تمام انسان عورت کے بطن سے پیدا ہوتے ہیں' اس کا رحم ربوبیت کا محل ہے، اور یہ عمل کائنات میں خدا کی خلاقی کے بعد سب سے بڑا خلاقی کا عمل ہے ؎

پرتو حق است آں معشوق نیست   خالق است آں گوئیا مخلوق نیست

(مولانا رومؒ)

مولانا اشرف علی تھانویؒ کلید مثنوی میں اس شعر کی شرح میں لکھتے ہیں کہ عورت کی تشبیہ

---

[1] سورۂ توبہ، ۷۱ [2] سورۂ توبہ، ۶۷ [3] الشاطبی: الموافقات، ج ۲ ص ۱۰

بالخالق اور مظہریت صفات الٰہیہ چند اعتبارات سے ہے۔ اوّل یہ کہ وہ مرد کی جاذبِ قلب ہے۔ دوم، بچے کی مولد و مصور ہے۔ سوم بچے کی مربی ہے، مصلح امور معیشت ہے۔ ان میں سے ہر صفت کسی نہ کسی صفتِ الٰہیہ کا پرتو ہے۔ دین، نسل و آبرو اور عقل کی حفاظت میں عورت کا کردار حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ "اذا تزوج العبد فقد استکمل نصف الایمان" یعنی شادی کے ساتھ ہی انسان کے نصف ایمان کی تکمیل ہو جاتی ہے۔ اس ارشاد حقیقت بنیاد کی شرح کے لیے ایک دفتر درکار ہے، ہم اس سلسلہ میں اقبال کا یہ قول بیان کرنے پر اکتفا کرتے ہیں کہ "کسی معاشرے میں مذہب کا سب سے بڑا امین و محافظ کون ہوتا ہے؟ عورت ہوتی ہے"[۱] باقی رہی مال کی حفاظت، تو حیاتِ عائلی میں عورت کا کفایت شعارانہ صرف دولت اور مرد کی غیر حاضری میں اثاث بیت کی حفاظت عورت ہی پر موقوف ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صالح اور وفا شعار بیوی کے اوصاف میں گھر اور مال کی حفاظت کا ذکر بھی فرمایا ہے یوں معاشرتی مقاصد و غایات کی تکمیل میں عورت کا کردار بخوبی واضح ہو جاتا ہے ؎

حافظ رمز اخوت مادراں — قوتِ قرآن ملت مادراں

اسلام میں عورت کی چہار جہتی حیثیت

اوپر حیثیتِ نسواں کے حقیقی اسلامی مفہوم کے چار بنیادی پہلو بیان کیے گئے ہیں، اسلامی معاشرہ کے مختلف ادوار میں ان چاروں زاویوں سے حیثیتِ نسواں کا جائزہ لینے سے پیشتر اسلامی تعلیمات کی رو سے اس چہار جہتی حیثیت کا نظری طور سے اجمالی بیان ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس معیار کی وضاحت کیے بغیر مختلف ادوار میں حیثیتِ نسواں کو عملی رخ سے جانچنا ممکن نہیں۔

(۱) حقوق نسواں اور ان کی حدود استعمال

حقوق نسواں کو بنیادی طور پر دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

---

[۱] شذرات فکر اقبال ص ۸۵

عائلی حقوق اور اجتماعی حقوق۔

۱۔ حیاتِ عائلی میں حقوقِ نسواں

عائلی زندگی میں عورت چار حیثیتوں سے گذرتی ہے بیٹی، بیوی، بہن اور ماں۔ اور ان چاروں حیثیتوں میں اسلام نے عورت کے حسب ذیل حقوق مقرر فرمائے ہیں:۔

حقوقِ مادر

والدین اور بالخصوص ماں کے حقوق کی اہمیت کا اعتراف سبھی مذاہب و اقوام نے کیا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ السلام کے نطق و کلام کا آغاز ہی اس قول سے ہوتا ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے مجھے نبی بنایا ہے اور نماز و زکوٰۃ اور والدہ سے حسنِ سلوک کا حکم دیا ہے[۱]"۔ اسلام نے تو ماں کی حیثیت سے عورت کا مقام ناقابلِ فہم حد تک بلند کر دیا ہے کہ بموجب ارشادِ نبویؐ "جنت ماں کے قدموں تلے ہے"۔ دراصل عورت بحیثیتِ ماں، جیسا کہ مولانا رومؒ کا قول اوپر بیان ہوا، خالقِ کائنات کی صفتِ خلاقی کا سب سے بڑا مظہر ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کی تاکید فرماتے ہوئے ماں کی صفت تخلیق و رضاعت کو نمایاں تصریح کے ساتھ بیان کرتے ہوئے والد کے مقابلہ میں اس کا مرتبہ بلند کر دیا ہے، ارشاد ہے: "ووصینا الانسان بوالدیہ حملتہ امہ وھنًا علیٰ وھنٍ وفصالہ فی عامین ان اشکرلی ولوالدیک[۲]" (الآیۃ) پھر یہی نہیں بلکہ رحمِ مادر میں بچہ کی تدریجی تخلیق و تصویر کے مراحل میں، قدرت نے ماں کو یہ روحانی اہلیت و تاثیر بخشی ہے کہ وہ بچہ کے لاشعور میں، اس کے ضمیر و قلب میں والدین کی محبت، ولاء اور خدمت و اطاعت کا جذبہ و احساس بھر دے، بایں طور کہ بچہ پیدا ہوتے ہی غیر شعوری طور پر اپنے والدین سے پیار اور محبت و اطاعت کا عملی اظہار شروع کر دے۔ یہ اہلیت و تاثیر جسے "اُمومت" کہا جا سکتا ہے، صرف ماں کو عطا ہوئی، ارشادِ خداوندی: "وجعل لکم من ازواجکم بنین وحفدۃ[۳]" (الآیۃ) میں "حفدہ" کا معنی محبت کیش اور اطاعت شعار ہے اور یہ وصف اولاد میں ماں کی طرف سے منتقل ہونے

---

[۱] سورۂ مریم ۳۱ [۲] سورۂ لقمٰن، ۱۴ [۳] سورۂ النحل، ۷۲

کا اشارہ بلکہ تصریح اسی آیت میں موجود ہے، اور ان وجوہ کی بناء پر باپ کے مقابلہ میں ماں کا مرتبہ سہ چند ہو جاتا ہے، جیسا کہ حضور نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کے سوال پر اسے باپ کے مقابلہ میں ماں کی حیثیت و مرتبہ اور استحقاق خدمت تین گنا زیادہ بتایا تھا۔[1] بالاختصار ماں کے اہم حقوق حسب ذیل ہیں:۔

محبت و احترام سورۂ اسراء میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے، والدین کے سامنے رحمت آمیز عجز اختیار کرو، ان سے مؤدبانہ گفتگو کرو حتیٰ کہ حرفِ افسوس (اُف) تک نہ کہو۔ فَلَا تَقُل لَّهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُل لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا۔ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُل رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا[2]۔"

حدیثِ پاک میں ہے، "جو شخص اپنے ماں باپ پر شفقت بھری نظر ڈالتا ہے اُس کے لیے حج مبرور کا ثواب لکھا جاتا ہے۔ والدین کا احترام اس قدر ملحوظ ہے کہ ان کے احترام کی حفاظت کی خاطر دوسروں کی تکریم بھی ضروری ہے۔ فرمایا والدین کو گالی دینا گناہ کبیرہ ہے؟ صحابۂ کرام نے پوچھا، حضورؐ! کیا کوئی شخص اپنے والدین کو بھی گالی دیتا ہے؟ فرمایا جب وہ کسی کی ماں یا باپ کو گالی دے تو دوسرا جواب میں اس کی ماں یا باپ کو گالی دے گا۔[3]

تعمیلِ حکم تمام جائز و مشروع امور میں ماں باپ کی فرمانبرداری اور اطاعت لازمی ہے، کہ ان کی نافرمانی گناہ کبیرہ شمار ہوتی ہے، ماں کی بچے کے ساتھ بے لوث محبت اور زندگی بھر کے جانی و مالی ایثار اور احسانات کا بدلہ تو کجا اندازہ لگانا بھی انسانی قدرت سے باہر ہے، اس لیے ایک شخص کے سوال پر کہ ماں باپ کا اولاد پر کیا حق ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ "تیری جنت اور دوزخ وہی ہیں"[4] اور "الجنۃ تحت اقدام الامہات" کے بعد تو کسی تصریح کی ضرورت ہی نہیں۔

---

[1] ترمذی، ابواب البر والصلۃ۔ بخاری، باب الادب [2] سورۂ اسراء، ۴۲ [3] ترمذی، باب البر والصلۃ
[4] ابن ماجہ شریف

خدمت گذاری

والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کے ارشادِ خداوندی "وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا" کا بنیادی تقاضا ان کی خدمت گذاری ہے، اور بعض حالات میں ماں باپ کی خدمت تو جہاد سے بھی بالاتر اور زیادہ ضروری ہو جاتی ہے۔

ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شرکت جہاد کی اجازت طلب کی، آپؐ نے پوچھا کیا تمہارے ماں باپ میں سے کوئی زندہ ہے؟ اثبات میں جواب پاکر فرمایا، واپس جاؤ اور اُن کی خدمت میں جدوجہد کرو۔[1]

ایک صحابیؓ نے حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! صحرائے عرب میں ایک گرم دوپہر جبکہ پتھر اور ریت آگ کی مانند جل رہے تھے، میں اور میری ماں ننگے پاؤں چل رہے تھے، میں نے اپنی والدہ کو کندھوں پر اٹھا لیا، کیا میں نے اپنی پرورش کے دوران اُن کی تکالیف کا بدلہ چُکا دیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، نہیں، حتیٰ کہ تمہاری پیدائش کے وقت اُس نے جو تکلیف اُٹھائی اُس کے ایک جزو کا بھی بدلہ ادا نہ ہُوا۔

والدہ کے عزیزوں اور سہیلیوں سے حسنِ سُلوک

اِسلام والدین کی اطاعت و خدمت کا ایک لازمی تقاضا ان کے قرابتداروں اور دوستوں و سہیلیوں کی خدمت و حُسنِ سلوک کو قرار دیتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو والدہ کے بعد خالہ کے ساتھ ماں کے برابر حسنِ سلوک کی تاکید فرمائی، اور جس طرح والد کے احباب کو چچا کے برابر سمجھنا چاہیئے، اسی طرح والدہ کی سہیلیوں کو خالہ کے برابر سمجھنا چاہیئے۔

یہ تھے ماں کے چند بنیادی حقوق، ورنہ ماں کی زندگی اور وفات کے بعد کے حقوق کا استقصا تو ممکن نہیں۔

حقوقِ زوجہ

شادی اسلام میں کوئی تجارتی یا تعاملی شرکہ یعنی کمپنی نہیں بلکہ یہ ایک حیاتی اور روحانی میثاق ہے جس کی دو خصوصی جہتیں ہیں، ایک انتظامی جہت،

---

[1] صحیحین

جس کا تعلق حیاتِ عائلی کے نظم و انضباط کی خاطر تنظیمی ذمہ داری کسی ایک فریق کو سونپ کر اسے "قوامیت" یعنی سیادت انتظامی بخشنے سے ہے، یہ قوامیت جو عائلی زندگی کی ترتیب و انصرام، ضروریاتِ زندگی کی فراہمی، عورت کی نگہبانی و محافظت اور گھریلو انتظام و اصلاح سے عبارت ہے، دو خوبیوں کی بناء پر مرد کو سونپی گئی ہے، ایک وہبی اور دوسری کسبی۔ وہبی امتیاز یہ ہے کہ مرد اپنی جسمانی قوت، ذہنی برتری، معاملہ فہمی اور دور اندیشی میں بلا شبہ عورت سے بڑھا ہوا ہے، جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے: "بما فضل اللہ بعضھم علی بعض" اور کسبی امتیاز یہ ہے کہ بیوی بچوں کے جملہ اخراجات اور ان کے آرام و آسائش اور حفاظت و رعایت کی تمام تر ذمہ داری مرد پر عائد ہے، فرمایا: "وبما انفقوا من اموالھم"[1]۔ یہ تو تھی انتظامی جہت حیاتِ عائلی کی جس میں مرد کو اپنی فطری اور کسبی برتری کے باعث قوّام بنایا گیا ہے، اس عہد و پیمان کی دوسری جہت عاطفی اور جذباتی ہے جسے اس ارشادِ پاک میں بیان فرمایا گیا ہے کہ: "ومن آیاتہ ان خلق لکم من انفسکم ازواجا لتسکنوا الیھا وجعل بینکم مودۃ ورحمۃ"[2] (الآیۃ) ارشادِ باری: "لتسکنوا الیھا" کا منشا یہ ہے کہ بیوی کی ذات میں خاوند کے لیے سکون و طمانیت اور راحتِ قلبی کا سامان ودیعت ہے، گویا مرد کی ذات میں قلق و اضطراب کے دواعی موجود ہیں جن کے ازالہ اور سکونِ قلبی کے حصول کے لیے وہ عورت کا محتاج ہے[3]، اور عورت کی فطرت میں خاوند کی تسکین اور راحت کا جذبہ و سامان بھر دیا گیا ہے۔

پس حیاتِ عائلی کی انتظامی جہت میں اگر مرد کو قوّام اور عورت کو اس کے تابع و زیر انتظام رکھا گیا ہے تو عاطفی رخ میں عورت کو منبع سکون و راحت اور مرد کو اس کا محتاج ٹھہرا کر حقیقی مساوات کا اہتمام فرما دیا گیا ہے۔ بہر آئینہ عورت کو بحیثیت رفیقۂ حیات کے حسب ذیل انواع کے حقوق سے نوازا گیا ہے:۔

---

[1] سورۂ نساء آیت ۳۴ [2] سورۂ روم، آیت ۲۱ [3] دیکھئے "الاسلام وقضایا المرأۃ المعاصرۃ" للاستاذ البہی الخولی، ص ۴۹، ۱۲۰

دینی واخلاقی حقوق

(۱) حسنِ تعلیم وتربیت ارشادِ خداوندی: "یا یھا الذین امنوا قوا انفسکم واھلیکم نارا"[۱] کی رُو سے خاوند پر لازم ہے کہ بیوی کی دینی تعلیم وتربیت کا اہتمام کرے۔ امام غزالیؒ کہتے ہیں کہ مرد پر لازم ہے کہ علمِ دین عورتوں کو سکھاوے اگر نہ سکھائے گا تو باہر جاکر عالم سے پوچھنا عورت پر فرض ہے، اگر امور دین سکھانے میں قصور کرے گا تو مرد خود گنہگار ہوگا"[۲] علامہ ابن الحاج رقمطراز ہیں: "فلو طلبت المراۃ حقھا فی امر دینھا من زوجھا ورفعتہ الی الحاکم وطالبتہ بالتعلیم لامر دینھا لان ذلک لھا إما بنفسہ او بواسطۃ اذنہ لھا فی الخروج الی ذلک لوجب علی الحاکم جبرہ علی ذلک کما یجبرہ علی حقوقھا الدنیویۃ، اذا ان حقوق الدین آکد واولی"[۳]

یعنی اگر عورت اپنے خاوند سے اپنی دینی تعلیم وتربیت کے حق کا تقاضا کرے اور قاضی کے پاس دعویٰ دائر کردے تو قاضی کے لیے لازم ہے کہ جس طرح وہ اس کے دُنیوی حقوق کی پاسبانی کرتا ہے اسی طرح دینی حقوق کی، جو دُنیوی حقوق سے اولیٰ اور مؤکد ہیں، حفاظت کرے اور خاوند کو بیوی کی دینی تعلیم وتربیت کا اہتمام کرنے پر مجبور کرے۔

(۲) رازوں کی حفاظت خاوند بیوی ایک دُوسرے کے مُونس وہمدرد اور شریکِ راز ہیں، عورت کا اخلاقی حق ہے کہ خاوند اس کے راز افشاء نہ کرے، عیوب کی پردہ پوشی کرے، حتیٰ کہ اگر طلاق دے دے تو اس کے بعد بھی سببِ طلاق ظاہر نہ کرے[۴] ارشادِ نبوّت ہے، قیامت کے دن بدترین شخص وہ ہوگا جو بیوی کا شریکِ راز ہوا اور اس کا راز کھول دیا[۵]

---

[۱] سورۂ تحریم، آیت ۶ [۲] غزالی: کیمیائے سعادت، اُردو، ص ۱۹۵ [۳] ابن الحاج: المدخل، جلد ۲ ص ۲۷۶

[۴] غزالی: کیمیائے سعادت، اردو، ص ۲۰۰ [۵] مسلم شریف، کتاب الطلاق، باب تحریم افشاء سر المراۃ۔

(۳) تحمّل و درگذر عورت کا ایک اخلاقی و دینی حق یہ بھی ہے کہ خاوند اس کی کم فہمیوں اور ناپسندیدہ باتوں پر صبر و تحمل اور فراخدلی کے ساتھ درگذر کی روش اختیار کرے، ارشادِ خداوندی ہے: "وعاشروھن بالمعروف فان کرھتموھن فعسی ان تکرھوا شیئا وھو خیر لکم"[1] آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" عورت کی پیدائش پسلی سے ہوئی ہے تم اسے سیدھا نہیں کر سکتے، البتہ اس کی کجی کے باوصف اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہو" نیز فرمایا: "مومن کو اپنی بیوی سے بُغض نہیں رکھنا چاہیئے، اگر اس کی ایک خو شوہر کو ناپسند ہے تو دوسری پسند بھی ہوگی"[2]

امام غزالیؒ کہتے ہیں: "عورتوں کے ساتھ حسنِ سلوک کا مطلب یہ ہے کہ ان کا رنج سہیں اور ان کی نافرمانی و ناشکری پر صبر کریں، حدیث میں ہے کہ بیوی کی بدخلقی پر صبر کرنے والے کو حضرت ایوبؑ کا سا اجر ملے گا"[3]

معاشرتی حقوق

(۱) حُسنِ معاشرت ارشادِ باری تعالیٰ: "وعاشروھن بالمعروف" سے بیوی کا حق حسنِ معاشرت ظاہر ہوتا ہے جو صرف مادی مظاہر و آثار تک محدود نہیں بلکہ معنوی روابط و تعلقات کی یکجہتی، باہمی چاہت وایثار اور حسنِ وابستگی کو بھی محیط ہے۔ ارشادِ نبوّت ہے "استوصوا بالنساء خیرا" نیز فرمایا: "خیارکم خیارکم لنساءھم" اس حسنِ معاشرت و ملاطفت میں تفریح، مزاح اور عورت کی دلجوئی بھی شامل ہے، یہ خوش طبعی اور دلجوئی اس قدر ضروری ہے کہ فقہاء اس کی خاطر جھوٹ بولنا بھی جائز رکھتے ہیں۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ کہتے ہیں کہ: "اس سے ظاہر ہے، بیوی کی دلجوئی کے لیے خدا نے بھی اپنا ایک حق (صدق و راستبازی) معاف کر دیا"[4]

---

[1] سورۂ نساء، ۱۹ [2] مسلم شریف، کتاب النکاح، باب الوصیۃ بالنساء [3] کیمیائے سعادت، ص ۱۹۵

[4] حسن العزیز، جلد ۳ ملفوظ ۴۵۵

(۲) حقِ مشاورت

اسلام نے معاشرتی زندگی کی ہر سطح پر اصولِ مشاورت کو بنیادی اہمیت دی ہے، ارشادِ باری تعالیٰ "وامرھم شوریٰ بینھم"[1] کا عموم واطلاق حیاتِ اجتماعی کے اولین مرحلہ خاندانی زندگی کو بھی محیط ہے، اس لیے حیاتِ عائلی کی تنظیم میں مشورہ عورت کا حق ہے، فرمانِ باری تعالیٰ "وان ارادا فصالا عن تراض منھما وتشاور فلا جناح علیھما"[2] اور ارشادِ نبوی "آمروا النساء فی بناتھن"[3] سے عیاں ہے کہ زندگی کے جن شعبوں سے متعلق وہ تجربہ اور نفع ونقصان سے واقفیت رکھتی ہے، اُن کے بارے میں اس کی رائے اور مشورہ لینا نہایت ضروری ہے کیونکہ عورت کا حقِ مشاورت اسے عائلی زندگی کی تنظیم میں مُشترک اور مساوی ذمہ داری کے احساس سے سرشار رکھتا ہے جس سے حیاتِ عائلی کی یکجہتی اور استقرار وثبات کی ضمانت مہیا ہوتی ہے۔

(۳) نکاح کے فوائد وآثار میں مساوی شرکت

اسلام نے عورت کو نکاح کے انعقاد سے لے کر اس کے آثار وفوائد جیسے حقِ استمتاعِ صنفی، عائلی ذمہ داریوں میں تعاون، طلبِ طلاق وخلع وغیرہ میں مرد کے ساتھ مساوی طور سے شریک ٹھہرایا ہے تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔

اقتصادی حقوق

عورت کے بحیثیت بیوی اقتصادی حقوق میں اہم تر مہر، نفقہ وسکنیٰ، اور حقِ میراث وغیرہ ہیں، ان حقوق کی تفصیل کتبِ فقہ میں مفصل ہے، یہاں طوالت کے خوف سے انہی اشارات پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔

حقوقِ دختر

اولاد کی محبت انسان کی فطرت میں ودیعت ہے جس میں لڑکے اور لڑکی کی کوئی تفریق نہیں، لیکن بسا اوقات انسان کی مادی ضروریات و خواہشات اور ماحول کی تمدنی رسوم کے باعث لڑکی اپنے والدین کی شفقت ورعایت سے محروم ہو جاتی ہے جیسا کہ عہدِ جاہلیت میں عموماً رائج تھا۔ اسلام نے عورت پر ہونے والے تمام جاہلی مظالم کا قلع قمع کر کے اسے ہر حیثیت میں انتہائی پستیوں سے اُٹھا کر عزت وتکریم

---

[1] سورۃ الشوریٰ، ۳۸ [2] سورۃ بقرہ، ۲۳۳ [3] ابوداؤد، کتاب النکاح، باب فی الا

کی معراج پر فائز کر دیا، بیٹی کی حیثیت سے عورت کے حقوق اجمالاً حسب ذیل ہیں:۔

(۱) اعلیٰ پرورش لڑکی خلقی اور طبعی طور پر کمزور ہوتی ہے اور عہدِ جاہلیت میں مصنوعی غیرت کی چکی میں بھی یہی پستی تھی، اس لیے اسلام اس کی پرورش اور نشو و نما پر خصوصی توجہ دینے کی تاکید کرتا ہے۔ ارشادِ نبوّت ہے: "لڑکی کی پرورش والدین اور دوزخ کے درمیان پردہ ہے[۱]"۔ نیز فرمایا: "جو شخص دو بچیوں کی پرورش کر کے انہیں جوان کر دے تو قیامت میں (جنت میں) وہ میرے اس قدر قریب ہوگا جس قدر یہ دو انگلیاں[۲]"۔

(۲) حسنِ تعلیم و تربیت اسلام نے اولاد کی تعلیم و تربیت پر بہت زور دیا ہے، ارشادِ نبویؐ ہے: "کوئی باپ اپنے بچوں کو حسنِ ادب سے بہتر عطیہ نہیں دے سکتا[۳]"۔ اس میں لڑکا اور لڑکی دونوں برابر ہیں، ان کے درمیان تفریق و امتیاز جائز نہیں۔

(۳) شفقت و رعایت میں ترجیحی سلوک امام غزالیؒ کہتے ہیں: "کوئی انسان لڑکی سے کراہت اور لڑکے سے بہت خوشی نہ کرے کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ بھلائی کس میں ہے؟ لڑکی بہت مبارک ہے اور اس کا ثواب زیادہ ہے[۴]"۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب تم اپنے بچوں کے لیے کوئی چیز لاؤ تو لڑکیوں کو پہلے دو کہ جو شخص لڑکی کو خوش کرے گا وہ ایسا ہے جیسے کہ حق تعالیٰ کے خوف سے رویا، اور جو خوفِ خدا سے روئے اس پر آتشِ دوزخ حرام ہے[۵]"۔

حقوقِ خواہر بہن اگر بھائی سے بڑی ہو تو اس کے حقوق ماں کے حقوق جیسے ہیں اور اگر چھوٹی ہو تو اس کے وہی حقوق ہیں جو بیٹی کے ہیں اور اس سے کچھ زیادہ، ارشادِ نبوّت ہے: "من کان لہٗ ثلاث بنات أو أخوات، أو بنتان أو أختان، فاحسن صحبتھنّ، وصبر علیھن واتقی اللہ فیھن، دخل الجنۃ[۶]"۔

---

[۱] ترمذی [۲] مسلم، ترمذی [۳] ترمذی [۴] غزالی، کیمیائے سعادت، ص ۲ [۵] ایضاً ص ۲
[۶] مسند احمد والحمیدی

یعنی دو یا تین بیٹیوں یا بہنوں سے حسن سلوک، تحمل و برداشت اور ان کے حقوق کی رعایت (تقوی اللہ کا بہترین مفہوم حقوق کی نگہداشت ہے) جنت میں داخلہ کی ضمانت ہے۔

ب: اجتماعی سطح پر حقوقِ نسواں

اجتماعی سطح پر اسلام نے عورت کو معاشرہ کے ایک بنیادی عنصر کی حیثیت سے حسب ذیل اساسی حقوق سے نوازا ہے :-

(۱) تحفظ مصالح خمسہ

اسلامی معاشرہ کے نصب العینی امتیازات میں ہم بنیادی انسانی نصب العین کی حیثیت سے مصالح خمسہ یعنی دین، نفس، نسل و آبرو، عقل اور مال کے تحفظ کی اہمیت اور اس سلسلہ میں ہر فردِ معاشرہ یعنی مرد و عورت کی مساوی حیثیت واستحقاق کی طرف اشارہ کر آئے ہیں، اسلام خلیفۃ اللہ ہونے کے ناطے ہر انسان پر اپنی ذات کے مصالح خمسہ اور دوسرے تمام افراد کے مصالح خمسہ یعنی دین و نفس و آبرو اور نسل و مال کی حفاظت کی کوشش فرض ٹھہراتا ہے[1]۔ اور مرد کی طرح ہر عورت کو یہ حق دیتا ہے کہ وہ اپنے ان مصالح کی بھرپور حفاظت کرے اور معاشرے سے اس تحفظ کا مطالبہ کرے، نیز انہی مصالح خمسہ کی حفاظت کی خاطر اسلام عورت کو بہت سے احکام اور تکالیفِ شاقہ سے مستثنیٰ قرار دیتا ہے اور کئی خصوصی احکام اس پر لاگو کرتا ہے۔ چنانچہ عورت کے تحفظ دین کی خاطر غیر مسلم سے اس کے نکاح کی حرمت اور اہلیت دینی کا اثبات، تحفظِ نفس کی خاطر مرد کے برابر حقِ دفاع نفس، حفاظتِ عفت و آبرو کی خاطر پردہ و حجاب کے احکام اور حدِ قذف کا اجراء اور تحفظِ عقل و مال کی خاطر اہلیت اجتماعی و اقتصادی کا اثبات اور حریتِ فکر و تصرف کے علاوہ ذاتی مسئولیت ایسے مبادی مقرر فرمائے گئے ہیں۔

(۲) تساوی و تمایز

اس کائناتِ عالم کے نظام کا محور اشتراک و انفراد، اجتماع و افتراق، اور تماثل و تمایز ہے۔ وصف وجود میں سارا عالم مشترک و مساوی ہے مگر صفتِ حیوٰۃ کے باعث اجزاء عالم اور ان کے احکام و معاملات میں تفریق پیدا ہو جاتی ہے،

---

[1] الشاطبی: الموافقات، جلد ۱ صفحہ ۱۷۶، ۳۳۱

پھر وصفِ حیات میں مُشترک اجزاء و عناصر میں وصف تکلیف (شرعی احکام کا پابند قرار دینا) سے تفریق ہو گئی ہے، ادھر وصفِ تکلیف میں مشترک جنّ و انس کے مابین لطافت ناری اور کثافتِ خاکی پر مبنی افتراق اوصاف کے باعث تمایز پیدا ہو گیا، یُوں یہ اشتراک و انفراد اور مساوات و امتیاز کا سلسلہ موجودات سے چل کر ایک صنف کو دُوسری پر فوقیت دیتا ہُوا انسان پر منتہی ہُوا اور پھر انسانیت کے افراد میں یہ سلسلہ باوجود وحدت و اشتراک نسل (خلقکم من نفس واحدۃ) کے صنفی، تمدنی اور دینی امتیاز و مساوات کے حوالہ سے جاری رہا۔ امتیاز صنفی میں مرد و عورت کی تفریق، امتیاز تمدنی میں نسبی، جغرافیائی اور پیشوں پر مبنی تفریق اور امتیاز دینی میں حق و باطل، ایمان و کفر پر مبنی بنیادی تفریق کے حوالے سے احکام، معاملات اور حقوق و فرائض میں بھی تفریق و تمایز پیدا ہوتا رہا ہے۔ یہ طے شدہ عقلی، عرفی اور شرعی حقیقت ہے کہ اشتراک کے درجہ میں مساوات ہوتی ہے اور امتیاز کے مرتبہ میں احکام و معاملات میں تفریق ہو جاتی ہے۔ یوں انسانی افراد کے درمیان اشتراکِ انسانیت کے باعث دوسرے مدارج اور ثانوی حقوق (صنفی، تمدّنی اور مذہبی) میں تفریق و تمایز ناگزیر ہے۔

بنابریں مرد و عورت میں اشتراکِ انسانیت کی وجہ سے تمام بنیادی انسانی حقوق میں مساوات ہے لیکن صنفی استحقاقات اور تمدّنی و معاشرتی معاملات میں تفریق اور دائرہ کار کا امتیاز عقلاً اور شرعاً ناگزیر ہے، اس لیے شریعتِ اسلامیہ نے مرد و عورت کے صنفی اور تمدّنی امتیاز کے باعث دونوں کے ثانوی معاشرتی حقوق و معاملات اور وظائف و اعمال میں تقسیم اور دائرہ بندی کر کے ظاہری تمایز و تفریق کے باوجود حقیقی مساوات پیدا کر دی ہے جو عبارت ہے اس امر سے کہ ہر فرد کو اس کے اپنے دائرہ عمل میں اتنے ہی حقوق و مواقع میسّر ہوں جتنے دوسرے افراد کو اُن کے اپنے دائرہ عمل میں ارزاں ہیں اور اس پر اتنے ہی فرائض عائد ہوں جتنے دوسروں پر۔

(۳) حریت استعمال و مطالبۂ حقوق

اپنے انسانی، صنفی، تمدنی اور دینی حقوق کے شرعی حدود میں رہتے ہوئے آزادانہ استعمال اور پامال ہونے سے بچانے کے لیے قانونی اور آئینی اقدامات کرنے کی حریت بھی عورتوں کا

اجتماعی اور معاشرتی حق ہے، استعمال حقوق کی شرعی اور تمدنی حدود و قیود کا ذکر آگے آرہا ہے۔

(۴) صنفی رعایات، شخصی استقلال اور مساوی مواقع تکمیل و ترقی!

عورتوں کے اجتماعی حقوق میں یہ بھی ہیں کہ انہیں خصوصی صنفی رعایات حاصل ہوں، معاشرہ میں انہیں ذاتی استقلال اور شخصی اہلیت و مسئولیت و حریت اور فکری و عملی ترقی و تکمیل کے (اپنے مخصوص دائرہ عمل میں) اتنے ہی مواقع میسر ہوں جتنے کہ مردوں کو ارزاں ہیں، حقوقِ نسواں کے ان پہلوؤں کا تفصیلی ذکر آگے آرہا ہے۔

حقوق نسواں کی حدود استعمال

اس سلسلہ میں ہم ایک بنیادی اور عمومی حقیقت کے اجمالی بیان پر ہی اکتفا کریں گے جس سے تمام حقوق انسانی کے استعمال کی شرعی اور تمدنی حدود و اغراض واضح ہو کر سامنے آجائیں گی، وہ بنیادی اور عمومی حقیقت یہ ہے کہ اسلام چونکہ اجتماعیت کا دین ہے اور اس کے جملہ احکام، معاملات اور اختصاصات پر اجتماعیت، موضوعیت اور مقصدیت غالب و محیط ہے، اسلیے اسلام میں تمام انسانی حقوق کی حیثیت شخصی اغراض کے ذرائع تکمیل کی بجائے اجتماعی وظائف[1] (ایثار شعارانہ، دینی اختصاصات اور اعلیٰ تر تہذیبی غایات) کے وسائل تکمیل کی ہے، یعنی ہر فرد معاشرہ (مرد و عورت) اپنے تمام فطری، دینی، تمدنی اور قانونی حقوق و اختیارات کو اپنی ذاتی مادی اغراض کی بجائے ایمانی تقاضوں (امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی تکمیل، تمدنی مقاصد و اہداف (استقرار امن و انصاف) کی تحقیق اور اجتماعی مصالح و مفادات (فلاح عامہ و مصالح خمسہ) کی تحصیل کے لیے استعمال کرنے اور بروئے کار لانے کا پابند ہے، ارشاد خداوندی: "وابتغ فیما اتاك الله الدار الاخرة ولا تنس نصیبك من الدنیا واحسن كما احسن الله الیك[2]۔ (الآیۃ) میں اس حقیقت کی طرف اشارات موجود ہیں

---

[1] اس سلسلہ میں تفصیل کے لیے دیکھیے مصنفہ النظم الاسلامیہ، مصطفیٰ کمال وصفی، ص ۱۸۱، ۳۰۱ بعد

[2] سورۃ القصص، ۷۷

پس حقوقِ نسواں کے استعمال کی شرعی اور اجتماعی حدود و اغراض بھی وہی ہیں جو اسلام نے تمام حقوق و اختیارات کو اجتماعی وظائف، دینی اختصاصات اور تہذیبی وسائل کی حیثیت دے کر طے کردی ہیں اور جن کی طرف اوپر اشارہ ہوا۔

II استقلالِ شخصیت

حیثیتِ نسواں کا حقیقی مفہوم طے کرتے وقت ہم بیان کر چکے ہیں کہ اسلامی معاشرہ میں ہر مرد و عورت کی اپنی جداگانہ شخصیت اور ذات مستقل طور پر قائم و باقی رہتی ہے، اس استقلالِ شخصیت کے نمایاں مظاہر حسب ذیل ہیں:۔

ا۔ اہلیّت و استعداد

عورت کا استقلال اہلیت و استعداد مندرجہ ذیل بنیادی رُخ رکھتا ہے۔

ا۔ اہلیّتِ دینی

احکامِ شرعیہ کا مخاطب اور تکالیفِ دینیہ کا پابند بنانے میں انسان کے وصفِ انسانیت اور اہلیتِ امتثال کو بنیاد بنایا گیا ہے، اسلیئے صنفی تفریق کی بناء پر اس سلسلہ میں کوئی تمیز روا نہیں رکھی گئی؛ بنیادی طور پر تدین و تقویٰ اور اخلاقِ اسلامیہ سے اتصاف کی اہلیت و استعداد مرد و عورت دونوں میں یکساں پائی جاتی ہے، البتہ حیاتیاتی عوارض کے باعث بعض اوقات دونوں کو یا کسی ایک کو، بعض احکام سے دائمی یا عارضی طور سے مستثنیٰ قرار دے دیا جاتا ہے، عورتوں کے لیے اسلام میں داخل ہونے کی جداگانہ مستقل بیعت لازمی ٹھہرائے جانے میں بھی یہی حکمت کارفرما ہے کہ عورتوں کو اپنی ذات کا مستقلاً ذمہ دار ٹھہرایا گیا ہے جس کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ ان میں اہلیت و استعدادِ دینی بھی مردوں کی طرح ہے، ارشادِ خداوندی ہے "یٰایّھا النبی اذا جاءك المؤمنٰت یبایعنك ......"[۱] (الآیۃ) انسان کی فلاح کا دارومدار ایمان و تقویٰ پر ہے اور اس کی اہلیت و استعداد مرد و عورت دونوں میں یکساں ہے: "من عمل صالحًا من ذکرٍ او انثٰی وھو مومنٌ فلنحیینہ حیٰوۃً طیّبۃً"[۲] (الآیۃ) قربِ الٰہی کے

---

[۱] سورۃ الممتحنہ، ۱۲ [۲] سورۃ النحل، ۹۷

دروازے دونوں کے لیے برابر کشادہ ہیں "إن المسلمین والمسلمات والمؤمنین والمؤمنات والقانتین والقانتات والصادقین والصادقات والصابرین والصابرات والخاشعین والخاشعات والمتصدقین والمتصدقات[۱]...(الآیۃ)

ب: اھلیت اقتصادی دینی اہلیت کی طرح اقتصادی اہلیت میں عورت شرعی طور پر مرد سے الگ اور مستقل ہے، قرآن کا حکم یہ ہے کہ ہر مرد اور ہر عورت کو بلا امتیاز اس کی جدوجہد کا ثمر ملے گا "للرجال نصیب مما اکتسبوا و للنساء نصیب مما اکتسبن[۲]" عورت کو شرعی طور پر تمام عقود و معاملات طے کرنے، تملک و اکتساب اور اپنے مملوکات میں ہر جائز تصرف کا حق حاصل ہے اور اس سلسلہ میں اس کی اہلیت شرعی پر کوئی قدغن نہیں۔

ج: اہلیت اجتماعی عورت کی اہلیت اجتماعی کا اولین مظہر اس کا حق ایجاب ہے کہ ولی اُس کی مرضی کے خلاف اس کی شادی نہیں کر سکتا، ارشادِ نبوی ہے "لیس للولی مع البنت أمر[۳]" نیز فرمایا "البنت أحق بنفسہا من ولیہا، والبکر تستأذن فی نفسہا، واذنہا صماتہا[۴]" اس موقع پر ابنِ قیم کی یہ تصریح قابلِ غور ہے کہ "بالغ و عاقل عورت کا ولی اگر اس کے مال میں، اس کی خلافِ منشا تصرف کا مجاز نہیں تو اس کی مرضی کے خلاف اس کی جان (نفس) کسی کے عقد میں کیونکر دے سکتا ہے[۵]۔"

عورت کی اہلیتِ اجتماعی کا دُوسرا بڑا مظہر یہ ہے کہ وہ حالتِ امن و جنگ میں کسی کافر کو امان دے دے تو اس کی امان نافذ ہوگی اور ہر مسلمان کے لیے اس کی حفاظت لازمی ہوگی، ارشادِ نبوی ہے "المسلمون تتکافأ دماؤھم ویسعی بذمتہم أدناھم[۶]" نیز فرمایا "إن کانت المرأۃ لتجیر علی المؤمنین فیجوز[۷]" پھر

---

[۱] سورۃ الاحزاب، ۳۵ [۲] سورۃ النساء، ۳۲ [۳] ابوداؤد، نسائی [۴] رواہ الجماعۃ
[۵] ابن قیم: زاد المعاد، جلد ۴ ص ۲ [۶] احمد، ابوداؤد [۷] ابوداؤد، والنسائی

مزید برآں یہ کہ عورت اپنے فطری دائرے سے باہر کئی سماجی و معاشرتی مناصب پر فائز ہونے کی اہلیت و استعداد سے بھی بہرہ ور ہے۔ ابن الہمام رقمطراز ہیں: "لیس فی الشرع سوی نقصان عقلها و معلوم انه لم یصل الی حد سلب ولایتها بالکلیة، ألا تری أنها تصلح شاهدة و ناظرة فی الأوقاف و وصیة علی الیتامی"[۱] یعنی عورت کا نقصان عقل اس کی ولایت کے بالکلیہ سلب کا سبب نہیں بنتا بلکہ وہ گواہی دینے، ناظر اوقاف بننے اور یتیموں کی وصی بننے کی اہلیت رکھتی ہے۔

(۲) حریت و آزادی

اسلامی معاشرہ کے خصائص میں حریت و آزادی کا بیان بھی ہو چکا ہے، یہ حریت و آزادی جو اسلامی معاشرہ میں مردوں کی طرح عورتوں کو بھی حاصل ہے، ان کے استقلالِ شخصیت کا ایک اور نمایاں پہلو یہ ہے، حریت دراصل ایک اعتبار قانونی ہے جس کا حقیقی مفہوم یہ ہے کہ انسان فطری طور پر خود کو خدائے واحد کا بندہ، اس کے احکام کا مکلف سمجھے اور کُل کائنات کو اپنے لیے مسخر اور خدمتگار گردانے تاکہ عناصر فطرت کی غلامی سے آزاد رہ سکے۔[۲] اس اعتبار سے حریت ایک داخلی احساس اور باطنی کیفیت ہے جو فکر و اعتقاد سے لے کر عمل و تصرف اور اخلاق و کردار تک میں پختگی اور ثبات و استقلال پیدا کر دیتی ہے۔

اسلام نے عورت کو جو حریت و آزادی عطا فرمائی ہے، اس کے بعض بنیادی مظاہر اوپر اہلیتِ دینی و اقتصادی اور اجتماعی کے حوالے سے بیان کیے جا چکے ہیں، دیگر نمایاں مظاہر حریت حسب ذیل ہیں:۔

حریت فکر و رائے

اجتماعی نصب العین کی تحصیل و تکمیل میں عورت کے بنیادی کردار، جس کا بیان اوپر ہو چکا ہے، کی انجام دہی حریتِ فکر و اعتقاد اور آزادئ رائے کے بغیر ممکن نہیں۔ اس لیے اسلام نے عورت کو فکر و اعتقاد میں مرد کی تاثیر سے مکمل آزادی اور اظہار رائے کا بھرپور حق دیا ہے، البتہ قبولیت رائے و مشورہ کے لیے صائب

---

[۱] فتح القدیر، جلد ۵ ص ۴۸۶ [۲] علال الفاسی، مقاصد الشریعۃ و مکارمہا ص ۴۴۵

ہونے کی جو عمومی شرط مرد و عورت دونوں کے لیے لگائی ہے اس کا تقاضا ہے کہ ہر صنف جن امور میں زیادہ تجربہ، مہارت اور واقفیت کی حامل ہے، ان امور میں اسی صنف کی رائے فائق، برتر اور صائب قرار پائے گی، عورت کی حریت رائے اور حق مشورہ کے عائلی مظاہر کی طرف اوپر اشارہ ہو چکا ہے۔ بہت سی اجتماعی اور عمومی معاملات میں بھی اس کی رائے کو وقعت دی گئی ہے، عہدِ رسالت و خلافت کے واقعات اس سلسلہ میں آگے بیان ہوں گے۔ ظہار کے معاملہ میں خولہؓ بنت ثعلب کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محاورہ اور مجادلہ کو قرآن نے سراہا اور اس کی رائے کے مطابق احکام ظہار نازل فرمائے" قد سمع اللہ قول التی تجادلک فی زوجھا وتشتکی الی اللہ واللہ یسمع تحاورکما...." (الآیۃ)[۱] جنازہ کی موجودہ شکل حضرت اسماءؓ بنت عمیس نے حبشہ کے نصاریٰ کے ہاں دیکھی تھی، انہی کے مشورہ کے مطابق اسے اسلام میں اپنایا گیا۔[۲]

حریت اعمال واوصاف

بنیادی طور پر حریت کی تین قسمیں ہیں: حریت ذات یعنی جسمانی آزادی، حریتِ صفات، یعنی قوائے نفسانی اور شیطانی کے تسلط سے اعمال و اخلاق انسان کی آزادی اور حریتِ معاملات، یعنی تصرف و تعامل و اکتساب کی آزادی۔ عورت کو حریتِ ذات اور حریتِ معاملات کی طرح حریتِ صفات کی نعمت بھی اسلام نے عطا فرمائی ہے۔ یعنی وہ اپنے نفس کی تعمیر و تطہیر میں، مکارم اخلاق کو اپنانے اور رذائل اعمال سے بچنے میں مرد کے زیر اثر و اختیار نہیں جیسا کہ اہلیتِ دینی کے بیان میں کہا جا چکا ہے۔

حریتِ استعمال و تحفظ حقوق

حریتِ نسواں کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ انہیں اپنی اہلیت ہمہ نوعی کی بنیاد پر ملنے والے تمام دینی، تمدنی اور قانونی حقوق و معاملات کے استعمال اور تحفظ کی مکمل آزادی حاصل ہے۔ مصالح خمسہ کا دفاع ہو کہ فکر و عمل کے ارزاں مواقع سے استفادہ، اپنے حقوق عائلی و اجتماعی کا

۱۔ المجادلہ، ۱ ۲۔ طبقات ابن سعد، جلد ۸ ص ۲۰۶

تحفظ ہو کہ شرعی اختیارات (ولایات، وصایات، نظارات) کا استعمال، عورت ہر حال میں خارجی تسلط اور دباؤ سے آزاد اور صرف شرعی حدود و مقاصد کی تکمیل کی پابند اور اپنے ضمیر کو مطمئن کرنے کی مکلّف ہے۔

(۳) مسئولیت و ذمہ داری

عورت کے استقلال اہلیت اور حق حریت کا لازمی تقاضا اور نتیجہ استقلالِ مسئولیت اور ذاتی ذمہ داری ہے، یعنی ہر وہ عمل و اختصاص جس کی اہلیت اور حُریت عورت کو حاصل ہے اسکی تکمیل کی ذمہ دار اور نتائج کی جواب دہ بھی وہ خود ہی ہے، اس مسئولیت و جواب دہی میں اس کے شریکِ کار کے سوا اور کوئی اس کا شریک نہیں۔

عورت کی اہلیت اور حریت کی طرح اس کی مسئولیت بھی متنوع مظاہر رکھتی ہے۔ مثلاً دینی و اخلاقی ذمہ داری (ذاتی تعمیر سیرت) عائلی ذمہ داری (تربیت اولاد، حفاظتِ بیت اور اطاعتِ خاوند) اجتماعی و معاشرتی ذمہ داری (امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور تہذیبی مقاصد کی تکمیل) اور اقتصادی ذمہ داری (جملہ معاشی اعمال و تصرفات کی جوابدہی) وغیرہ۔ یہ سبھی مظاہر اسلامی معاشرہ میں عورت کے استقلال شخصیت اور ارفع و اعلیٰ حیثیت کے آئینہ دار ہیں۔

III خصوصی صنفی رعایات

اوپر حیثیتِ نسواں کا حقیقی مفہوم متعین کرتے وقت اس مفہوم کا تیسرا بنیادی پہلو خصوصی صنفی رعایات کا استحقاق بیان کیا گیا تھا، عورت کو اسلام نے جنسِ لطیف و نازک قرار دے کر حسب ذیل خصوصی صنفی رعایات سے نوازا ہے۔

ا۔ لطیف جذباتی عنایت

بنیادی طور پر عورت کا خمیر جذبات و عواطف سے اُٹھایا گیا ہے، کیونکہ بچہ کی حُسن پرورش کے لیے ماں کی ممتا کو جذباتیت اور حساسیت کی سب سے زیادہ ضرورت ہے، یوں عورت کے نمایاں فطری خصوصیات جذبات کی حدت، وجدان کی نزاکت اور احساسات کی لطافت ہیں، اسلام مرد کی ذات میں عورت کے لیے لطف و محبت کے جذبات ابھارتا ہے۔

فرمایا "زین للناس حب الشھوات من النساء ..." (الآیۃ) [1] اور "خلقکم من انفسکم ازواجاً لتسکنوا الیھا" (الآیۃ) اور عورت کی طبعی نزاکت و لطافت کی رعایت کرنے کا حکم دیتا ہے، ارشادِ نبوی ہے "یہ نازک آبگینے ہیں انہیں ٹھیس نہ لگنے پائے"۔ خاوند سے کہا گیا ہے کہ "عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے اسے زبردستی درست کرنے کی کوشش نہ کرے بلکہ اس کی کم فہمیوں اور زود حسیوں پر صبر و تحمل اور عفو و درگذر سے کام لے"۔ باپ کو تلقین کی گئی ہے کہ جب وہ باہر سے بچوں کے لیے کوئی چیز لائے تو لڑکیوں کی نزاکتِ طبعی، حساسیت اور والدین کے ساتھ اُن کی لڑکوں سے زیادہ محبت کے پیشِ نظر پہلے انہیں دے اور پھر لڑکوں کو۔

ب: حفاظت و پاسبانی

عورتوں کی نزاکتِ طبع اور جذباتیت کا تقاضا یہ ہے کہ مرد ان کی ہر لحاظ سے حفاظت اور پاسبانی کریں اور ان کی توہین نہ خود کریں اور نہ ہونے دیں۔

عورت کا سب سے قیمتی زیور اس کی عفت و آبرو ہے، اس لیے عفتِ نسواں کی حفاظت و نگہبانی اسلامی معاشرہ کا اجتماعی فریضہ ہے، عورت کے شرف و آبرو کو مجروح کرنے یا تہمت لگانے کی سزا لعنت اور اسّی کوڑے ہے "ان الذین یرمون المحصنٰت الغافلات المؤمنٰت لعنوا فی الدنیا والاٰخرۃ" [2] اور "... فاجلدوھم ثمانین جلدۃ ولا تقبلوا لھم شھادۃً ابداً" [3]

سید امیر علی رقمطراز ہیں: "حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے احترام کو اسوۂ اسلامیہ میں شامل فرمایا، آپ کے ارشادات میں عورتوں کے بارے میں فیاضی اور بہادری کی روح رچی ہوئی ہے، بحیثیتِ مجموعی عورتوں سے جوانمردانہ سلوک کسی اور مذہب یا معاشرتی نظام کی بہ نسبت اسلام سے زیادہ گہرا تعلق رکھتا ہے" [4]

ج: تقدس و احترام

اسلام نے عورت کو بے پناہ احترام، اکرام اور تقدس بخشا ہے اور اس احترام و تقدس کی حفاظت حرب و امن ہر حال میں

---

[1] سورۃ آل عمران: ۱۴ [2] سورۃ النور: ۲۳ [3] سورۃ النور: ۴

[4] امیر علی: روحِ اسلام، اُردو ص ۳۹۸

ضروری ٹھہری، اگر جنگ میں مسلمان کسی غیر مسلم عورت کو قیدی بنالیں تو کسی فوجی کے لیے اس عورت پر دست درازی یا کسی قسم کی زیادتی جائز نہیں کہ اسلام میں جنس عورت محترم ہے۔ روزمرہ معاملات اور باہمی گفتگو و پکار تک میں عورت کا احترام ملحوظ رہے "ذلك ادنى ان يعرفن فلا يؤذين"[1] اور "لا يسخر قوم من قوم عسى ان يكونوا خيرا منهم ولا نساء من نساء..."[2] (الآیۃ) آزاد عورت کی عزت و تکریم اسی قدر ضروری ہے کہ فقہاء کے نزدیک کسی مرد کے لیے آزاد عورت سے شادی کرنے کے بعد لونڈی سے نکاح جائز نہیں "وقد لوحظ فى ذلك ان زواج الأمة بعد زوج الحرة امتهان للحرة وجرح لشرفها وعزتها"[3]

IV مساوی مواقع تکمیل و ترقی

جیسا کہ شروع میں بیان ہوا، حیثیتِ نسواں کا چوتھا بنیادی پہلو یہ ہے کہ طبعی اور اہلیتی امتیازات کے مطابق انہیں اپنے مخصوص دائرہ کار میں عمل و تکمیل کے اتنے ہی مواقع میسر ہوں جتنے مردوں کو اُن کے دائرہ عمل میں ارزاں ہیں، اسلامی معاشرہ میں عورتوں کو نہ صرف اپنے مخصوص دائرہ عمل میں ترقی و تکمیل کے تمام مواقع ارزاں ہیں بلکہ اپنے فطری دائرہ کار سے باہر بھی کئی سماجی اور تمدنی خدمات انجام دینے کی سہولت میسر ہے، اس سلسلہ میں حسب ذیل تکمیلی مظاہر بنیادی اہمیت رکھتے ہیں:۔

۱۔ علم

ارشادِ خداوندی: "اذا جاءك المومنات يبايعنك على ان لا يشركن بالله شيئا ولا يسرقن ولا يزنين ولا يقتلن اولادهن ولا يأتين ببهتان يفترينه بين ايديهن وارجلهن ولا يعصينك فى معروف فبايعهن..."[1] (الآیۃ) میں جن اصولوں کی پابندی کا عہد عورتوں سے لیا گیا ہے ان کی تکمیل اور بالخصوص "ولا يعصينك فى معروف" کے موجب ہر قدم پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت سے بچنے اور رضا جوئی کے حکم پر عمل کی صورت اس کے سوا اور کوئی نہیں کہ عورتیں دین کے احکام اور سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا علم حاصل

---

[1] سورۃ الممتحنہ: ۱۲

کریں، یوں اسلام تعلیم کے میدان میں عورت کو مکمل مواقع فراہم کرتا ہے کہ ارشادِ نبویؐ سے "العلم فریضة علیٰ کل مسلم" میں بالاتفاق عورتیں بھی شامل ہیں، البتہ جیسا کہ ہم بارہا کہہ آئے ہیں، اسلام طبعی و الہیتی دائرہ بندی اور صنفی ضروریات و وظائف کے امتیاز کی بنا پر عورتوں اور مردوں کو یکساں مواقع تعلیم فراہم کرنے کے باوجود، دونوں کے نصابِ تعلیم، اسالیب تعلیم اور مقاصدِ تعلیم میں تفریق و امتیاز ضروری قرار دیتا ہے، عورتوں کا نصابِ تعلیم، طریقِ تعلیم اور مقصدِ تعلیم ایسا ہونا چاہیئے جو نسوانی زندگی اور نسوانی مقاصدِ حیات سے ہم آہنگ ہو۔

اقبالؒ کہتے ہیں: "مسلم خواتین کو صحیح مذہبی تعلیم حاصل ہونی چاہیئے کیونکہ وہی قوم کی حقیقی معمار ہیں ...... ایسے تمام مضامین جن میں عورت کو نسوانیت اور دین سے محروم کر دینے کا میلان پایا جائے، احتیاط کے ساتھ تعلیمِ نسواں کے باب سے خارج کر دیئے جائیں"[1]

بہرحال عورت کی تعلیم ایسی ہونی چاہیئے جس سے وہ دینی فرائض سے عہدہ برآ ہو، تمدنی مقاصد کی تکمیل اور عائلی وظائف کی ادائیگی میں سرخرو ہو سکے اور نسلِ نو کی عمدہ تعلیم و تربیت کے ذریعہ قومی ترقی اور تہذیبی ارتقاء میں اپنا کردار ادا کر سکے کہ عورت کی گود انسانیت کا پہلا مکتب ہے ؎

الأم مدرسة إذا أعددتها
أعددت شعبا طيب الأعراق

ب: عمل (کام) اسلام کا رجحان و مزاج یہ ہے کہ وہ تعطل و بے کاری اور رہبانیت و انقطاع کو پسند نہیں کرتا اور نہ ہی کسی فرد میں اُٹھنے والے زندگی اور حرکت و عمل کے داعیات کو دبانے یا مٹانے کی کوشش کرتا ہے، اس لیے وہ عورت کو گھر کے اندر اور گھر کے باہر پیشہ ورانہ یا غیر پیشہ ورانہ اعمال انجام دینے کی بھرپور آزادی اور حق دیتا ہے، لیکن جیسا کہ پہلے بیان ہوا اسلام صنفی اور الہیتی امتیاز کی بناء پر مرد و عورت کے دائرۂ عمل میں تفریق کو فطری، تمدنی اور دینی ہر لحاظ سے ضروری سمجھتا ہے

---

[1] شذرات فکر اقبال ص ۸۵

اس لیے عورت کو بنیادی طور سے گھریلو وظائف اور مرد کو خارجی اعمال کا پابند ٹھہراتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کے درمیان تقسیمِ کار اور عمل کی دائرہ بندی فرماتے ہوئے حضرت علیؓ کے ذمہ خارجی کام اور حضرت فاطمہؓ کے حصے میں گھریلو اعمال ڈال کر یہ طے فرمادیا کہ عورت کو جو حریت کار اور مواقع عمل اسلام نے دیئے ہیں، اور جن کی بعض مثالیں آگے "حیثیتِ نسواں بعہدِ رسالت وخلافت" کے بیان میں آئیں گی، ان سے فائدہ اٹھانے کے لیے دو بنیادی شرطیں پیشِ نظر رہنی چاہئیں۔ ایک تو یہ کہ عورت کا اصل دائرہ عمل گھر اور گھریلو ذمہ داریاں اور اعمال ہیں، اس لیے بغیر انتہائی ضرورت کے بیرونِ خانہ کے اشغال واعمال کے لیے نکلنا درست نہیں، البتہ شدید ذاتی ضروریات یا ملی ضرورت کے تحت گھر سے باہر کے اعمال عارضی طور پر جائز ہیں۔ اور دوسری شرط یہ کہ وہ گھر کے اندر رہتے ہوئے یا عارضی طور سے بیرونِ خانہ بھی کچھ اعمال سرانجام دینا چاہتی ہے تو وہ اعمال اور ان میں مشغولیت ایسی ہونی چاہیئے کہ عورت کے اصل فطری اعمال ووظائف میں خلل نہ آنے پائے۔ اس لیے اسلام نے عورت کو اپنے طبعی وظائف کی باحسن وجوہ انجام دہی میں سہولت کے لیے اور خلل واضطراب سے بچانے کے لیے بہت سے شرعی احکام مثلاً جنازہ میں شرکت، نماز جمعہ اور نماز باجماعت وغیرہ سے بھی مستثنےٰ قرار دیا ہے، اس سلسلہ میں پردہ یا حجاب کا مسئلہ بھی سامنے آتا ہے جس کی اصولی وضاحت آگے آرہی ہے۔

ج: ملّی خدمات

ملی خدمات دو قسم کی ہیں۔ ایک تو وہ خدمات ہیں جن میں کسی نہ کسی شکل میں حصہ لینا مرد وعورت کا مساوی اور مشترکہ دینی اور ملی فرض ہے جیسے اشاعتِ اسلام بموجب فرمانِ نبویؐ "فلیبلغ الشاهد الغائب" اور فرمان باری تعالےٰ "لیظهره علی الدین کله" اور اصلاح معاشرہ بموجب ارشادِ خداوندی "والمؤمنون والمؤمنات بعضهم اولیاء بعض یأمرون بالمعروف وینهون عن المنکر" (الآیۃ) اور جہاد جب کہ ہر مسلمان پر فرض عین ہو جائے تو عورت بھی اس میں حصہ لینے کی شرعاً پابند ہے، اور قومی سطح پر مصالح خمسہ کی حفاظت و دفاع وغیرہ۔ اور دوسری قسم ان ملی اور تمدنی خدمات کی ہے جو حیاتِ اجتماعی کی بقاء وترقی

کے لیے فرض کفایہ کی حیثیت رکھتی ہیں جیسے سیاسی، انتظامی اور عدالتی ولایات، اور علمی (سائنسی و تحقیقی و تدریسی) وفنی (صنعتی، تجارتی اور زرعی) خدمات وغیرہ۔ ان خدماتِ کفائیہ میں سے بعض تو ایسی ہیں جو عورت کے لیے کسی صورت جائز نہیں اور باقی خدمات کی بوقتِ ضرورت ادائیگی کی عورت کو اجازت دی گئی ہے، جیسا کہ اوپر استقلالِ شخصیت کے زیرِ عنوان اہلیتِ اجتماعی کے ضمن میں بیان کیا جا چکا ہے۔ عورت کو عمل و تکمیل کے مساوی مواقع[1] (اپنے دائرہ عمل میں) کی فراہمی سے پردہ و حجاب کا مسئلہ اُبھرتا ہے جس کی اصولی و اجمالی وضاحت یہاں ضروری معلوم ہوتی ہے۔

حیثیتِ نسواں اور حجاب

شریعتِ اسلامی پر مقصدیت اور مصلحیت اس قدر محیط ہے کہ کوئی بھی حکم مقاصد اور مصالح کے دائرہ سے باہر نہیں نکل سکتا، یہ ایک ایسی قطعی اور اٹل حقیقت ہے جو بے شمار ادلہ عقلیہ ونقلیہ کے استقرائے سے یقین کی آخری حد تک ثابت ہو چکی ہے[2]۔ بنا بریں تمام احکامِ شریعت اور بالخصوص معاشرتی احکام کی کوئی نہ کوئی بنیادی علت اور غایت ضرور ہوتی ہے جو اس حکم کا منشاء اور مدار قرار پاتی ہے اور وہ حکم متعلقہ علت اور مصلحت کی تحصیل و تکمیل کا ذریعہ ہوا کرتا ہے جس کی شرعی حیثیت (وجوب، ندب، اباحت، کراہت اور حُرمت وغیرہ) اس علت اور مصلحت کے حوالہ سے طے ہوتی ہے۔

اس حقیقت کی روشنی میں پردہ یا حجاب کے شرعی حکم کو دیکھا جائے جو متعدد قرآنی آیات، بہت سی احادیث، بے شمار قیاسی دلائل اور اُمت کے مسلسل و متوارث اجماعی تعامل

---

[1] اصطلاح "مساوی مواقع" میں مساوات کے حقیقی مفہوم کی طرف ہم اوپر حیثیتِ نسواں کا مفہوم متعین کرتے وقت اشارہ کر آئے ہیں۔ اس سارے مضمون میں یہ اصطلاح اسی طرح طے شدہ مفہوم میں استعمال کی گئی ہے۔ مرد و عورت کے اعمال و وظائف کی دائرہ بندی اور تقسیم حدود سے مساوات کی نفی نہیں ہوتی کیونکہ جس طرح عورت کے فطری دائرہ سے باہر کے اعمال میں شریعت اس کی حوصلہ افزائی نہیں کرتی اسی طرح مردوں کے لیے بھی اپنے دائرہ سے نکل کر نسوانی وظائف کی ادائیگی کے کوئی مواقع نہیں اس لیے شریعت "تشبہ باہمی" کو موجب لعنت ٹھہراتی ہے۔

[2] اس سلسلہ میں امام شاطبیؒ کی الموافقات بالخصوص جلد ۲، العز الدین بن عبد السلام کی قواعد الاحکام، غزالی کی مستصفی اور شاہ ولی اللہ کی حجۃ اللہ البالغہ دیکھئے۔

کی رُو سے ایک دائمی اور غیر متغیر حکم شرعی کی حیثیت سے قطعیت اختیار کر لیتا ہے تو یہ صرف کسی ایک علّت و مصلحت پر مبنی نہیں بلکہ اسلام کے مکمل نظامِ معاشرت، تمام اغراض و مصالح کی تکمیل، بلکہ حیاتِ انسانی کے پورے نظام اور شریعت کے مقاصد ضروریہ اساسیہ (دین، نفس، نسل، عقل اور مال) کے مجموعی تحفظ اور انہیں خلل و انحلال سے بچانے کے لیے جملہ احکام شرعیہ عملیہ کی خشتِ اوّل ٹھہرتا ہے۔ اس حقیقت کی تفصیلی وضاحت میں کسی اور وقت پر اُٹھا رکھتا ہوں اور فی الوقت صرف نظامِ تمدّن کے بنیادی مقاصد کی تکمیل میں حجاب کی اہمیّت کی طرف اشارہ کرنے پر اکتفاء کرتا ہوں۔

قدرت نے انسان کو تمام انواعِ مخلوق کی طرح "زوجین" یعنی دو ایسی صنفوں کی صورت میں پیدا کیا ہے جو ایک دُوسرے کی جانب دائمی طبعی میلان رکھتی ہیں، انسان میں یہ صنفی میلان غیر محدود، غیر منضبط اور تمام دوسری انواع سے بڑھا ہوا ہے، پھر یہی نہیں کہ انسان کے جسم کے اندر صنفی تحریک پیدا کرنے والی قوتیں زیادہ شدید ہیں بلکہ باہر کی اس وسیع کائنات میں بھی ہر طرف بے شمار صنفی محرکات پھیلے ہوئے ہیں، اس صنفی میلان کو افراط و تفریط سے روک کر توسط و اعتدال کی حالت پر لانا اور منضبط کرنا ایک صالح تمدّن کا اوّلین فریضہ[1] ہے، کیونکہ صنفی انتشار جسے قرآن نے "فحش" سے تعبیر کیا ہے۔ انسانیت، انسانی فرد اور انسانی سوسائٹی کے لیے سم قاتل ہے، اِس مُہلک علّت کے انسداد کے لیے ضروری ہے کہ سوسائٹی میں ایسا ماحول پیدا کیا جائے جس میں بُرے میلانات کو نشو و نما دینے والی ہیجان انگیز تحریکات ناپید ہوں اور ایسی تمام صورتوں کا سدِ باب کر دیا جائے جو فحش یعنی بے حیائی کی تحریک و ترغیب دلانے والی ہوں، چنانچہ شریعتِ اسلامیہ نے اس خطرناک علّت کی ممانعت کے لیے تعزیری احکام، انسدادی تدابیر اور اخلاقی و رُوحانی اور مادی قدروں پر مشتمل ایک مفصل پروگرام پیش کیا ہے جو "نظامِ حجاب یا پردہ" کہلاتا ہے، اس حجاب کی ہمہ گیر حدود و قیود بقول قاری محمد طیبؒ "نہ صرف معاشرت بلکہ عبادت اور نہ صرف عبادت بلکہ باطن و قلب اور

---

[1] دیکھئے مولانا مودودی، پردہ، صفحہ ۱۶۰

نہ صرف واقعات بلکہ احتمالات وخیالات اور نہ صرف زمانۂ حیات بلکہ بعد الممات پر بھی چھائی ہوئی ہیں [1]"

ثانیاً: اسلامی معاشرہ میں حیثیتِ نسواں کا عملی تاریخی پہلو

چودہ صدیوں پر محیط اسلامی [2] معاشرہ میں حیثیتِ نسواں کے عملی اور تاریخی جائزہ سے پیشتر بلکہ اس جائزہ کی ضروری تمہید کے طور پر عمومی ملاحظات کی حیثیت سے حسب ذیل حقائق پر نظر رکھنا ضروری ہے:۔

(۱) عمومی ملاحظات

I: حیثیتِ نسواں کے اس عملی و تاریخی جائزہ میں ہمارے پیشِ نظر اسلامی معاشرہ کی مجموعی، عمومی اور غالب حالت ہے، منتشر اور استثنائی حالات جو انسانی مزاج کے اختلافات اور ذاتی وسیاسی مفادات کی آویزشوں میں قدرتی طور سے ابھر آتے ہیں وہ معاشرہ کی مجموعی اور عمومی صورتحال کی عکاسی نہیں کرتے اور نہ ہی معاشرہ کے عمومی مزاج کی نفی کرتے ہیں۔ انسانی زندگی کی ایجابی اور سلبی تناقضات کے ایک لازمی و فطری تقاضا کی حیثیت سے اسلامی معاشرہ کے مختلف ادوار مابعد رسالت میں خارجی اقوام سے معاشرتی امتزاج واختلاط اور سلاطین وامراء کی مطلق العنانیاں یا انفرادی اخلاقی انحرافات کے بعض مظاہر ایسے بھی نظر آتے ہیں جو حیثیتِ نسواں کے شرعی تقاضوں کی تکمیل نہیں کرتے لیکن ساتھ ہی اسلامی تمدن و معاشرت کا اصل دینی مزاج ان منحرف عناصر سے نبرد آزما ہو کر انہیں مغلوب بھی کرتا رہا ہے اور ان کی تقویم و تہذیب بھی، اس لیے ہم زیرِ تسوید مضمون میں اسلامی معاشرہ کی مجموعی اور عمومی صورتحال اور مزاج ہی کی عکاسی کریں گے۔

---

[1] قاری محمد طیب، شرعی پردہ، ص ۶۵

[2] عموماً یہ گمان کیا جاتا ہے کہ ۱۴ صدیوں پر محیط مسلمانوں کی تمدنی تاریخ، اسلامی تعلیمات سے ابا، انحراف اور کجروی کی آئینہ دار ہے لہٰذا اسے اسلامی تاریخ یا اسلامی معاشرہ کی تاریخ نہیں قرار دیا جا سکتا لیکن یہ خیال استشراقی اور استغرابی اندازِ فکر کی اسلام دشمن کوششوں کا شاخسانہ ہے جس کا بھرپور تجزیہ تو ایک جداگانہ مقالہ بلکہ کتاب کا محتاج ہے، یہاں ہم عمومی ملاحظات کے ضمن میں اس سلسلہ میں صرف اجمالی حقائق کے بیان پر ہی اکتفا کریں گے۔

III اور یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے جسے کوئی انصاف پسند انسان جھٹلا نہیں سکتا کہ چودہ صدیوں پر محیط اسلامی معاشرہ کی تاریخ بحیثیتِ مجموعی ایک خدا پرست ملت کی شاندار تاریخ ہے۔ جس کی منزل، راہنما اور مشعلِ راہ ایک ہی ہے۔ اس کی منزل وصلِ الٰہی، راہنما رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مشعل قرآنِ حکیم ہے اس لیے مسلمان معاشرہ پر ہمیشہ دینی اثر قائم رہا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ اور صحابہؓ کا عمل و تعامل اسکے بنیادی نشانات تھے۔ ہر دور میں مسلمانوں نے یہ جاننے کی کوشش کی ہے کہ کسی خاص معاملہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کا تعامل کیا تھا چنانچہ مسلمانوں کا یہ تجسس ان کے تہذیبی مزاج کا ایک داخلی عنصر بن گیا جس نے دنیا میں سب سے پہلے سیرت، سوانح، حدیث اور ان سے متعلق بہت سے علوم و فنون کی ایجاد، تنظیم و ترتیب اور حفاظت و اشاعت کا اعزاز مسلمان ملت کو بخشا۔

کسی قوم کی پوری منظم زندگی کو تمدن کہتے ہیں جس میں مذہب، سلطنت، بین الاقوامی تعلقات، ضابطہ و قانون اور رسوم و رواج سبھی شامل ہیں، مسلمان دین ہی کو کل زندگی مانتے تھے، اس لیے انہوں نے جو تمدن تشکیل دیا وہ بقول اقبالؒ: "مذہب اسلام کی عملی صورت کا نام ہے اور ہماری تمدنی زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں ہے جو اصول مذہب سے جدا ہو سکتا ہو"[1] کیونکہ دین اسلام عقائد، عبادات اور معاملات کے علاوہ ایک ایسا مجلسی نظام اور طریق زندگی بھی رکھتا ہے جو ابدی اقدار کے مطابق متشکل ہو کر حیاتِ اجتماعی کو ثبات و استقرار کی دولت سے مالا مال کرتا ہے بلکہ اقبالؒ کے نزدیک تو "مذہب کی اصلی غایت ہی یہ ہے کہ زندگی کی سطح کو بتدریج بلند کرنے کے لیے ایک مربوط اور متناسب عمرانی نظام قائم کیا جائے"[2] اس لیے مسلمانوں کی تہذیبی اور تمدنی و عمرانی زندگی کے ہر شعبہ کے مرکزی نقوش دین سے حاصل کیے گئے تھے اور اس کی داخلی روح ہمیشہ دینی ہی رہی۔ اگرچہ مسلمانوں کی فتوحات اور سلطنتوں کی وسعت اور مختلف اقوام کے اختلاط و امتزاج کے باعث اسلامی تمدن میں تنوع اور بوقلمونی پیدا ہو گئی تھی کیونکہ مختلف اقوام اپنی منفرد عادات

---

[1] مقالات اقبال ص۵۴ [2] ایضاً ص۱۲۴

و تجارب، انداز تفکر اور جذبات و استعدادات اور ان سے منتزع ہونے والی مجموعی معاشرتی روش، نیز تاریخی، نسلی اور جغرافیائی عوامل کے پیش نظر اپنی زندگی اور نظم حیات کو اسلامی اقدار کے مطابق متشکل کرتے وقت داخلی فکری اشتراک اور بنیادی مقاصد و اعمال کی یکسانی کے باوصف خارجی مظاہر میں انفرادی تطبیقی رنگ اختیار کرتی رہی ہیں تاہم اسلامی تمدن کا یہ تنوع اور بوقلمونی دین اسلام کی آفاقیت و عالمگیریت کے عین مطابق تھی چنانچہ دین کی آفاقی رُوح نے شدید دینی حس کے بھروسے اقوام میں تمدنی وحدت پیدا کرنے میں بھرپور کامیابی حاصل کی اور مسلمانوں کے تمام تمدنی مظاہر پر دین چار اطراف سے ازابتداتا انتہاء حاوی رہا۔ اس سلسلہ میں مشہور مستشرق گستاؤلی بان کی یہ تصریح بڑی اہم ہے کہ " بلحاظ اس اثر کے جو اسلام نے مسلمانوں پر ڈالا ہے، یہ کسی مذہب سے درجہ میں کم نہیں ہے، وہ اقوام جنہیں احکام قرآنی کی ہدایت کی گئی کتنی ہی مختلف کیوں نہ ہوں آج بھی اُن احکام کی اسی قدر پابندی کرتی ہیں جیسی انہوں نے تیرہ سو برس پہلے کی تھی۔

مشرقیوں (یعنی مسلمانوں) کی حالت کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم ان کی اِس احکام مذہبی کی شدید پابندی کو ہمیشہ مدنظر رکھیں، مذہب جس کا ہم پر اس قدر کم اثر ہے، ان پر بے انتہاء غالب ہے اور اسی مذہب کے ذریعہ سے ان میں جوش پیدا کیا جا سکتا ہے"[۱]

III اوپر جو حقیقت بیان ہوئی اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ اسلامی معاشرہ کے ہر دور میں ایک عمومی اور مجموعی مزاج غالب رہا جو ہمیشہ دینی اور اسلامی ہی رہا، اس مجموعی دینی مزاج کے چند نمایاں خصائص (تشکیلی، نصب العینی اور کرداری) ہم شروع میں بیان کر آئے ہیں، آگے بڑھنے سے پیشتر انہیں ذہن میں مستحضر کر لینا ضروری ہے، یہ امتیازات بالاختصار وحدت دین و ایمان پر تشکیل، زمانی و مکانی حدود سے ماورائیت، ایمانی قواعد پر پائیدار اور مستقل تنظیم، ایمانی تقاضوں کی تکمیل، دین کی سیادت و اشاعت، انسانیت کی خدمت و اصلاح، جملہ افراد و طبقات کے مصالح خمسہ کی حفاظت، یکسانی فکر و عمل، احترام انسانیت، مساوات، حریت

---

[۱] گستاؤلی بان: تمدن عرب، اُردو ترجمہ، ص ۳۸۳

اور توازن وغیرہ ہیں۔

IV بحیثیت قوم اور ملت کے ہر قوم کی قومیت کسی انفرادی یا امتیازی فارم کی از حد محتاج ہوتی ہے اور ہر قوم کا تمدن وحدت و تنظیم پیدا کرنے کے لیے ایک خاص اجتماعی فارم (SOCIAL FORM) پر اصرار کرتا ہے، حسّاس اور قاہر اقوام میں یہ انفرادی فارم غیر شعوری طور پر از خود پیدا ہو جایا کرتی ہے، اسلام نے اگرچہ کوئی مخصوص تمدنی فارم مقرر یا تجویز نہیں کی تاہم مسلمانوں کے خاص طرزِ فکر، مخصوص اسلوبِ حیات اور اسلامی معاشرہ کے مذکورہ بالا خصائص و امتیازات کے سبب یا متواتر (ASSOCIATION) کے ذریعہ مجلسی روابط کا ایک مرکزی خاکہ اور ایک (STANDARD FORM) یا معیارِ طرزِ حیات وجود میں آ گیا تھا، جو صدیوں میں پختہ ہو کر ایک ہمہ گیر کلچر کا روپ دھار گیا۔

V یہ گمان درست نہیں کہ مؤثراتِ زندگی اور تمدنی نظامات زمانہ جو تغیر سے بسرعت بدلتے رہتے ہیں اس لیے مسلمانوں کے معاشرتی نظام اور تمدنی فارم میں بھی عصری تغیرات کے باعث انقلابات آتے رہے ہیں جن کا اثر معاشرہ میں بحیثیتِ نسواں پر بھی پڑتا رہا، کیونکہ اسلامی معاشرہ کا مجموعی دینی مزاج اور تشکیلی، غایتی اور کرداری خصائص، جیسا کہ پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے، ہمیشہ سے ثبات و استقلال اور پختگی و پائیداری کے آئینہ دار رہے ہیں، اس سلسلہ میں مغربی مؤرخ گستاؤلی بان کے پُرزور اعتراف کے بعد کسی اور خارجی شہادت کی ضرورت باقی نہیں رہتی، وہ کہتا ہے "اقوام مغربی کے تمدن میں ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ ان میں تغیرات نہایت سرعت کے ساتھ ہوتے ہیں البتہ وہاں بھی متوسط اور ادنیٰ مدارج قومی میں زمانہ بہت کم تغیرات پیدا کرتا ہے...... مگر بمقابل اقوام یورپ کے عرب (مسلمان) ایک صدی سے دوسری صدی تک بہت کم بدلتے ہیں، ان کی مستقل حالت فقط اس وجہ سے قائم ہے کہ ان کے قرآن میں ضوابط مذہبی و ملی و معاشرتی ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں اور قرآن کی عدم تبدیلی کا اثر ان کی کل معاشرت پر پڑ رہا ہے...... عربوں کی عادات و اوضاع کا اکثر حصہ زمانہ دراز سے اس درجہ مقرر اور منضبط ہو گیا تھا کہ اس میں کسی قسم کا تغیر ممکن نہ ہوا اور اس وجہ سے عربوں کی حالت موجودہ کے مطالعہ سے

حالتِ ماضیہ کا پورا اندازہ ہوسکتا ہے"۔[۱]

دوسرے مقام پر وہ رقمطراز ہے: "مشرقیوں کے نظامات کی استواری ۔۔۔۔ اور کُل طبقاتِ معاشرہ میں استحکام کا پایا جانا یورپ کی بے چینی اور بیقرار زندگی اور مختلف طبقات کی باہمی رقابت اور تفاوت کے بالکل خلاف ہے"۔[۲] اس بنا پر وہ دعویٰ کرتا ہے کہ: "حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے ایک دیہاتی عرب (بطور مثال) اور اس سے بھی زیادہ اس زمانہ کے ایک بدوی میں اور ان دونوں کی موجودہ اولاد میں بہت ہی کم فرق ہونا چاہیئے اور ہے"۔[۳]

VI مذکورہ بالا امور کی روشنی میں اسلامی معاشرہ کے مختلف ادوار میں حیثیتِ نسواں کے بارے میں حسب ذیل بنیادی، عمومی اور اجمالی حقائق سامنے آتے ہیں:۔

(الف) چونکہ اسلامی معاشرہ ہر دور میں جملہ مظاہر تمدن و معاشرت میں اسلامی احکام کا مجموعی اور عمومی لحاظ سے پابند رہا ہے اس لیے اسلامی تعلیمات کی رُو سے عورت کو جو عائلی، اجتماعی اور تمدنی حقوق، شخصی استقلال (اپنے تمام مظاہر اہلیت وحریت اور مسئولیت کے ساتھ) صنفی رعایات اور تکمیل و ترقی کے مساوی مواقع (اپنے دائرہ عمل میں) میسر ہیں اور جن کا مفصل بیان اوپر گذر چکا ہے، وہ سب کے سب اسے ہر دور میں بحیثیتِ مجموعی حاصل اور ارزاں رہے ہیں، جیسا کہ بالتفصیل آگے آرہا ہے، البتہ اگر ان حقوق کے استعمال اور علمی و عملی مواقع سے بھرپور فائدہ اُٹھانے کی مثالیں کم نظر آتی ہوں تو اس کی وجہ یا تو یہ ہے کہ تاریخ کسی دور کا ہر واقعہ اپنی تفصیلات سمیت محفوظ نہیں رکھ سکتی بلکہ عموماً مقتدر، متمول اور اعلیٰ افراد و طبقات کی زندگیوں اور حالات کی مجموعی عکاسی کرتی ہے اس لیے عوامی زندگی کے بہت سے پہلو مخفی رہ جاتے ہیں، اور اگر واقعی کسی دور میں ان حقوق و مواقع سے بھرپور فائدہ نہیں اُٹھایا جاسکا تو اس میں طبقۂ نسواں کی کوتاہی، تساہل اور تغافل کے علاوہ ان کے طبعی اور بنیادی فرائض کی تکمیل میں انہماک اور بعض اوقات حالات کی ناسازگاری مثلاً قلت کا

---

[۱] تمدن عرب، اردو، ص۳۱۵ [۲] ایضاً ص۳۲۸ [۳] ایضاً ص۳۱۵

مجموعی ادبار و انحطاط یا عارضی اضطراب وغیرہ ایسے اسباب کا دخل ہے جسے اسلامی معاشرہ میں حیثیتِ نسواں کی مجموعی رفعت و عظمت کے بالمقابل کوئی وقعت حاصل نہیں۔

(ب) اسلامی معاشرہ کے مختلف ادوار میں عورت کو جو حقوق اور مواقع حاصل رہے ان کے استعمال اور استفادہ کا دائرہ عملاً کبھی وسیع و غیر محدود رہا اور کبھی سمٹ کر محدود ہوجاتا رہا۔ اس وسعت و محدودیت کا اصل انحصار خود عورت کی انفرادی صلاحیتوں کی جلا یافتگی، تعلیمی و تربیتی بالیدگی اور فنی و عملی مہارت پر رہا ہے اس لیے اسے معاشرہ کے رویہ پر منحصر ٹھہرا کر عورتوں کی حیثیت گھٹانے کا الزام معاشرہ کو نہیں دیا جاسکتا۔

(ج) اسلامی معاشرہ کی تہذیبی روح (RESTRAINT) یعنی ضبط و انضباط ہے، یہ انضباط اور رکھ رکھاؤ ہر دور میں اور ہر معاملہ میں قائم رہا ہے اور اس سے معاشرت کے اسلامی آداب پیدا ہوئے ہیں جن میں آزادی بھی ہے اور قید بھی، اور یہی معاشرتی پابندیاں ہیں جو اسلامی معاشرہ کی تمدنی فارم میں امتیاز پیدا کرتی ہیں ؎

صنوبر باغ میں آزاد بھی ہے پا بگل بھی ہے
انہی پابندیوں میں حاصل آزادی کو تو کرلے

اسی منفرد اسلامی تمدنی فارم کا نتیجہ تھا کہ مسلمانوں نے کسی دور میں کہیں بھی بے حیائی، برہنگی اور عام صنفی اختلاط کو گوارا نہیں کیا اور اسی کے باعث مسلم معاشرہ میں یہ خاص قوت موجود تھی کہ وہ غیر اخلاقی، اجنبی اور نامانوس عناصر کی کراہت اور اجنبیت کو بہت جلد دور کرلیتا تھا اور یہی وجہ ہے کہ مسلمان سوسائٹی میں عورت کا احترام ہمیشہ رہا اور اسے تمام حقوق اور علمی و عملی ترقی کے مواقع بھی برابر حاصل رہے مگر اسلامی تہذیب کی چھاپ عموماً مردانہ ہی رہی ہے۔

ان عمومی حقائق کو مدنظر رکھتے ہوئے اب ہم اسلامی معاشرہ کے مختلف ادوار[1] میں حیثیتِ نسواں کے مذکورۃ الصدر مفہوم کی روشنی میں عورت کے مقام و کردار کا کسی قدر تفصیلی جائزہ

---

[1] اسلامی معاشرہ کے خصائص میں ہم بیان کر آئے ہیں کہ یہ معاشرہ زمانی و مکانی حدود سے ماوراء دائمی معاشرہ ہے، اس لیے یہ کہنا اور سمجھنا درست نہ ہوگا کہ چودہ صدیوں کے عرصہ میں مختلف علاقوں میں بہت سے (یعنی متعدد) اسلامی معاشرے (بقیہ حاشیہ ص۔۔۔ پر دیکھیں)

لیں گے۔

(۲) اسلامی معاشرہ کے دورِ اوّل میں حیثیتِ نسواں

اسلامی معاشرہ کے دورِ اوّل سے مراد عہدِ رسالت ﷺ اور دورِ صحابۂ کرامؓ ہے اور چونکہ یہ عہد تشریعی دور ہے، بایں طور کہ سنّتِ صحابہؓ کو بھی سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بطور تتمہ وضمیمہ کے شامل کیا گیا ہے، جیسا کہ عظیم اُندلسی عالم امام شاطبیؒ نے تصریح کی ہے کہ "ویطلق ایضاً لفظ السنۃ علیٰ ما عمل علیہ الصحابۃؓ وجد ذٰلک فی الکتاب أو السنۃ او لم یوجد لکونہ اتباعا لسنتہ ثبتت عندھم لم تنقل الینا أو اجتہاداً مجتمعاً علیہ منھم أو من خلفاءھم..... ویدل علیٰ ھٰذا الاطلاق قولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام: علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین"، واذا جمع ماتقدم تحصل منہ فی الاطلاق أربعۃ اوجہ: قولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام و فعلہ واقرارہ...... ھٰذہ ثلاثۃ والرابع ماجاء عن الصّحابۃؓ او الخلفاء"[۱] اس لیے اس پاکیزہ عہد میں حیثیتِ نسواں کے تمام مظاہر ادوار مابعد میں اسلامی معاشرہ کے لیے نشاناتِ راہ بلکہ احکام وتعلیماتِ شرعیہ کی حیثیت رکھتے ہیں، البتہ شریعت یہ چونکہ مقصدیت اور علّیت کا غلبہ ہے لہٰذا اس دور کے تمام احکام ومظاہر کو صرف حرفیت پرستی اور ظاہری شکل وصورت پر انحصار کے ساتھ قبول کرنا اور دلیل شرعی بنانا درست نہ ہوگا بلکہ ہر حکم اور معاملہ کو اس کے مقصد وغایت اور حکمت وعلّت کے ساتھ دیکھنا ہوگا، مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو مساجد میں نماز کے لیے آنے سے منع نہیں فرمایا کیونکہ نفوس

(بقیہ حاشیہ صـــ) وجود میں آئے، بالفاظِ دیگر اسلامی معاشرہ کو ریاستی، سلطنتی اور حکومتی تعدد وتنوع کے حوالے سے متعدد قرار دینا درست نہیں، اسلامی معاشرہ عہدِ رسالت سے قیامت تک ایک ہی رہےگا، البتہ اسے مختلف ادوار پر تقسیم کیا جاسکتا ہے اس لیے ہم نے اس مضمون میں اسلامی معاشرہ کے مختلف ادوار کی اصطلاح برتی ہے۔

[۱] الشاطبی: الموافقات، جلد ۴ صـ ۵-۴

اس قدر پاکیزہ تھے کہ عورتیں شرافت و حیا کا مجسمہ بنی عفت و عصمت کے تحفظ کا پورا اہتمام کر کے گھر سے باہر نکلتی تھیں مگر عہدِ صحابہؓ کے آخری دور میں جب نوخیز عورتوں کو اس اہتمام و تقدس کے بغیر گھر سے باہر نکلتے دیکھا تو حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا: "اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کی موجودہ حالت دیکھتے تو انہیں مساجد میں آنے سے منع فرما دیتے۔" حضرت عائشہؓ کا یہ ارشاد حقیقت بنیاد سامنے رکھتے ہوئے فقہاء نے عورتوں کے معاملات اور معاشرتی اختلاط سے متعلق مسائل کے بارے میں یہ قاعدہ وضع کر کے احکام کا استخراج کیا کہ "پُرفتن احوال میں تحفظ عفت و عصمت کے احکام و آداب شدید تر ہو جاتے ہیں بہرآئینہ اسلامی معاشرہ کے اُس پاکیزہ دور میں حیثیتِ نسواں کے طے شدہ مفہوم کی روشنی میں حسب ذیل مظاہر نمایاں تھے:۔

(۱) حقوقِ نسواں

گذشتہ صفحات میں اسلام کے عطا کردہ جو حقوق نسواں عائلی اور اجتماعی سطح پر بیان ہوئے وہ سب کے سب اسلامی معاشرہ کے دورِ اوّل میں عورتوں کو بالکل وجوہ میسر تھے بلکہ اسلام کی طرف سے عورتوں کو ان حقوق کی ارزانی کی بنیاد ہی عہدِ رسالتؐ و صحابہؓ کی واقعی اور عملی کیفیت ہے کیونکہ محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پیشتر عورت کو معاشرہ میں کوئی استحقاق و مقام حاصل نہ تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کو ذلت و پستی سے نکال کر مرد کے برابر مقام دیا اور اس کے قانونی حقوق مقرر فرمائے، ذیل میں چند واقعات بطور نمونہ پیشِ خدمت ہیں:۔

عورت کے عائلی حقوق

دُنیا کا سارا کارخانہ انسانی حقوق و فرائض کی تعیین اور اُنکے تحفظ پر قائم ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی معاشرہ کی تشکیل فرمائی تو ہر فرد کے حقوق و فرائض کی تعیین کے علاوہ عائلی زندگی کے مقاصد و احکام کی خصوصی وضاحت اپنے عمل مبارک سے فرمائی جس سے عورتوں کے جملہ عائلی حقوق سامنے آگئے، اور خاندانی زندگی کی فضا پاکیزگی، محبت، اخلاص اور سکون و استقرار کی آئینہ دار بن گئی کیوں کہ اس وضاحت کی رو سے عورت گھر کی سرپرست (ماں)، برکت (بہن) ملکہ (عورت) اور سعادت و نجات (بیٹی) ہے۔

ماں کی حیثیت سے

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ماں کو یاد فرماتے تو آبدیدہ ہو جاتے، رضاعی ماں حضرت حلیمہؓ تشریف لائیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے بیٹھنے کے لیے چادر بچھا دیتے، کنیز اُم ایمنؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مادرانہ خدمت کی تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم انہیں دیکھتے تو اُمّی کہہ کر پکارتے اور فرماتے یہ میرے گھرانے کا بقیہ ہیں۔ ایک بار ام ایمنؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پانی نوش فرماتے دیکھ کر کہا مجھے بھی پانی پلائیے، حضرت عائشہؓ بولیں کیا تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا کہتی ہو؟ ام ایمنؓ نے جواب دیا تم نے مجھ سے بڑھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت نہیں کی! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یہ سچ کہتی ہیں اور انہیں پانی پلایا۔"[1]

اس سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ ایک کنیز کے مادرانہ خدمت کرنے پر محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کس قدر عظیم مرتبہ و مقام دیا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ صحابہ کرامؓ اپنی ماں سے انتہائی عزت و احترام اور سلوک سے پیش آتے۔ ایک صحابی کے جھلساتی دھوپ میں تپتی ریت اور پتھروں پر اپنی ماں کو کندھوں پر اٹھا کر سفر کرنے کا واقعہ پیچھے بیان ہوا ہے۔ ایک اور صحابی نے ایک باغ عمر بھر کے لیے اپنی ماں پر وقف کر دیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ماں کے قدموں تلے جنت اور اس کا مرتبہ باپ سے سہ گنا ہے۔ چنانچہ ایک عورت نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ میرا شوہر لڑکے کو چھین لینا چاہتا ہے حالانکہ وہ میری خدمت کرتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑکے سے کہا، یہ تمہارا باپ ہے اور یہ تمہاری ماں، جس کا ہاتھ چاہو پکڑ لو، لڑکے نے ماں کا ہاتھ پکڑ لیا۔ یہیں سے اسلامی معاشرہ کے عہدِ اوّل میں ماں کی عظمت و حیثیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

بیوی کی حیثیت سے

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف یہ کہ بیوی سے حُسن سلوک کی سخت تاکید فرمائی بلکہ ازواج مطہرات کے ساتھ بہترین برتاؤ فرما کر امت کے لیے درخشاں مثال قائم فرما دی، ارشادِ پاک ہے :۔

---

[1] البدایۃ والنہایۃ جلد ۹ ص ۳۱۹

"خیرکم خیرکم لاھلہ وانا خیرکم لاھلی"۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ازواج مطہرات کی دلجوئی فرماتے حتیٰ کہ ان کی خوشنودی کی خاطر شہد اپنے اوپر حرام کرلیا، جس پر یہ دائمی تحسین و مدح نازل ہوئی کہ "تبتغی مرضات ازواجک"[1] اس ارشاد باری میں حیثیت نسواں کے جاہلی اور اسلامی تصور کا بعد المشرقین اور صنف نازک پر حضور رحمۃ للعالمین کا بے پایاں احسان اجاگر کیا جارہا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ کبھی دوڑ رہے ہیں اور کبھی ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کو حبشیوں کے کھیل تفریح سے محظوظ فرمارہے ہیں، یہی نہیں گھر کے کام کاج میں امہات المؤمنین کا ہاتھ بھی بٹاتے ہیں۔ طبرانی وغیرہ میں روایت ہے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں "کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یخیط ھذا ویخیط ھذا، ویخدم فی مھنۃ اھلہ ویقطع لھن اللحم ویقسم البیت (ریکنسہ) ویعین الخادم فی خدمتہ"۔ ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو یاد کرتے تو آبدیدہ ہوجاتے، ان کی سہیلیوں کی بہت قدر فرمایا کرتے، جب کبھی بکری ذبح کرتے تو اُن کے گھروں میں بھجواتے تھے، ازواج مطہرات کی نازک مزاجیاں خندہ پیشانی سے برداشت کرتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضورؐ سے بلند آواز سے باتیں کررہی تھیں، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ آئے غصہ میں بیٹی کو تھپڑ مارنے لگے تو رحمۃ للعالمین نے بیچ میں آکر بچالیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل پاک کے ذریعہ بیوی کا مقام اس قدر بلند کردیا کہ بقول حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ: "اسلام سے پہلے عورتوں کو کچھ نہیں سمجھا جاتا تھا، رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ عظمت دی کہ ایک بار میں نے بیوی کو ڈانٹا تو اس نے برابر کے جواب دیئے"! یہی عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب فرمایا کرتے "ینبغی للرجل ان یکون فی اھلہ کالصبی، فاذا کان فی القوم کان رجلاً" یعنی انسان کو چاہیئے حسن معاشرت و ملاطفت میں بیوی کے ساتھ بچے کی طرح رہے اور بیرونِ خانہ مردانہ وار۔ آقائے کائنات کی تعلیمات کا اثر تھا کہ صحابہ کرام اپنی بیویوں سے نہایت محبت رکھتے تھے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اپنی بیوی کو اس قدر چاہتے تھے کہ والد کی تاکید کے

---

[1] سورۃ التحریم: ۱

باوجود طلاق دینے سے انکار کر دیا، آخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اطاعتِ والدین کے خیال سے طلاق کا حکم دیا۔ ایک بار سفر میں تھے، زوجہ کی بیماری کا علم ہوا، انتہائی تیز رفتاری سے کام کیا اور عشاء و مغرب کی نماز کو ایک ساتھ جمع کیا۔

حضرت عبداللہؓ بن ابوبکرؓ کو اپنی بیوی عاتکہؓ سے اس قدر محبت تھی کہ جہاد تک ترک کر دیا تھا، صحابۂ کرامؓ حج سے واپس آرہے تھے، ذوالحلیفہ کے مقام پر حضرت اسید بن حضیرؓ کو بیوی کے انتقال کی خبر ملی تو منہ ڈھانپ کر رونے لگے، اس محبت کے باعث صحابۂ کرامؓ بیویوں کے حقِ صحبت کا اس قدر لحاظ رکھتے تھے کہ ان کی درشتی تو کوئی بھی گوارا تھی۔ حضرت لقیط بن صبرہؓ نے بارگاہِ رسالت میں بیوی کی بدزبانی کی شکایت کی مگر مدت کی رفاقت کے لحاظ سے طلاق دینے پر آمادہ نہ ہوئے۔ اسلام نے عورت کو ذلت و رسوائی کے مقام سے اس قدر تیزی سے اٹھا کر حقوق و مراعات سے نوازا کہ حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ فرماتے ہیں: "کنا نتقی الکلام والانبساط الی نسائنا علی عہد النبی صلی اللہ علیہ وسلم هیبة أن ینزل فینا شیٔ فلما توفی النبی صلی اللہ علیہ وسلم تکلمنا وانبسطنا"[1] یعنی عہدِ رسالت میں ہم عورتوں (بیویوں) سے گفتگو میں بے تکلفی برتتے ہوئے بھی ڈرتے تھے کہ کہیں ہمارے متعلق کوئی حکم نہ نازل ہو جائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات (انقطاع وحی) کے بعد ہم ان کے ساتھ بے تکلف رہنے لگے۔

بیٹی کی حیثیت سے اہلِ جاہلیت بیٹی کو غیرت کے باعث یا رزق کے خوف سے یا محض ناپسندیدگی کی بناء پر زندہ درگور کر دیا کرتے اور اس کی پیدائش پر چیں بہ جبیں ہوتے، مگر قربان جاؤں رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور اسوۂ حسنہ پر، جس کی برکت سے ذہن و فکر اور رسوم و اطوار بدل گئے، بیٹی کی ولادت کو منحوس سمجھنے والے اسے برکت و سعادت، دنیوی اور نجاتِ اُخروی کا ذریعہ گردانتے لگے اور ایک دوسرے کو بیٹی کی ولادت پر تہنیت و مبارکباد دینے لگے۔

---

[1] بخاری، کتاب النکاح، باب الوصایا بالنساء

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے چار بیٹیوں کی پرورش و تربیت ایک شفیق باپ کی حیثیت سے اس عمدہ اور بہترین طریقے سے کی کہ ان کی زندگی کا ہر پہلو دُنیا بھر کی عورتوں کے لیے قابلِ تقلید ٹھہرا، چہیتی بیٹی حضرت فاطمہؓ کی ایسی تربیت فرمائی کہ اُن کی ذات میں وہ تمام قدسی صفات مُجتمع ہو گئیں جو انسان کے مثالی کمال کی آئینہ دار ہیں۔ اس حسنِ تربیت کا نتیجہ تھا کہ حضرت عائشہؓ ایسی زیرک اور ذہین وفطین ہستی نے بھی اعتراف کیا کہ جناب فاطمۃ الزہراؓ سب عورتوں سے بڑھ کر دانا ہیں۔ آپؓ کا قول ہے کہ طرزِ کلام، اسلوبِ گفتگو، خضوع وخشوع، حُسنِ خلق اور وقار و متانت میں حضرت فاطمہؓ سے بڑھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ کوئی نہ تھا، رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی صاحبزادیوں سے بے پناہ محبت تھی، حضرت فاطمہؓ تشریف لاتیں تو فرطِ محبت سے کھڑے ہو جاتے اور اپنی جگہ اُن کو دیتے، نواسیوں سے بھی از حد پیار کرتے اپنی ایک نواسی کو عالمِ نزع میں دیکھا تو آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے، صحابہؓ کے پوچھنے پر فرمایا یہ خدا کا رحم ہے جو وہ اپنے بندوں کے دلوں میں ڈال دیتا ہے۔

ایک صحابیؓ کا بیان ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حالتِ نماز میں دیکھا آپؐ کی نواسی اُمامہؓ آپؐ کے کندھوں پر تھی، آپؐ جس وقت رکوع و سجود میں جاتے انہیں زمین پر بٹھا دیتے اور جب کھڑے ہوتے تو پھر کندھوں پر اُٹھا لیتے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس پاکیزہ اُسوۂ مبارکہ کی تاثیر تھی کہ صحابۂ کرامؓ اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کے درمیان محبت و شفقت میں، تربیت و تعلیم میں اور حسنِ معاملہ میں، حتیٰ کہ التفاتِ قلب و نظر میں بھی مساوات برتتے۔ ایک بار حضرت عائشہؓ بیمار ہوئیں، حضرت ابو بکرؓ آئے، حال پوچھا اور فرطِ محبت سے مُنہ چُوم لیا۔ ایک عورت حضرت عائشہؓ کے پاس آئی اُس کے ساتھ دو لڑکیاں تھیں، حضرت عائشہؓ کے پاس فقط ایک کھجور تھی، وُہی دے دی، اُس عورت نے کھجور کے دو ٹکڑے کر کے بچیوں پر بانٹ دیئے اور چلی گئی، حضرت ام المومنینؓ نے رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم سے واقعہ بیان کیا تو فرمایا جو شخص بچیوں کی آزمائش میں ڈالا گیا اور اُس نے اُن سے اچھا سلوک کیا تو وہ اُس کے اور دوزخ کے درمیان پردہ ہوں گی۔

صحابۂ کرامؓ بچیوں کی چارہ گری اور پرورش کو اپنے لیے سرمایۂ حیات تصور کرتے تھے،

حضرت حمزہؓ کی شہادت کے بعد ان کی بیٹی کی کفالت کے تین دعویدار پیدا ہوئے، حضرت علیؓ نے کہا یہ میری چچازاد بہن ہے لہٰذا میں اس کی پرورش کا حقدار ہوں، حضرت جعفرؓ بولے میں زیادہ حقدار ہوں کہ میری چچازاد ہونے کے علاوہ اس کی خالہ بھی میرے عقد میں ہے، حضرت زیدؓ انصاری نے جو حضرت حمزہؓ کے دینی بھائی تھے تقاضا کیا کہ یہ میری بھتیجی ہے اور چچا سے بڑھ کر اس کی تربیت کا حق کسے پہنچتا ہے[1]

بہن کی حیثیت سے

بہن کی حیثیت سے اسلامی معاشرہ کے دورِ اول میں عورت کی عظمت و وقعت کا اندازہ لگانے کے لیے یہی ایک واقعہ کافی ہے کہ حضرت جابرؓ نے باوجود نوجوان ہونے کے بیوہ عورت سے شادی کی تو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پوچھنے پر عرض کی "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ان ابی قتل یوم اُحد وترک تسع بنات.... کن لی تسع اخوات فکرھت ان اجمع الیھن جاریۃ خرقاء مثلھن ولکن إمرأۃ تمشطھن وتقوم علیھن، قال صلی اللہ علیہ وسلم اصبت[2]" یعنی میرے والد اُحد میں شہید ہوگئے اور میری نو بہنیں چھوڑ گئے تو میں نے ان کی حسنِ تربیت اور نگہبانی کے لیے تجربہ کار عورت سے شادی مناسب سمجھی۔ سُبحان اللہ کتنا ایثار و اخلاص ہے کہ اپنی جوانی، اُمنگیں اور زندگی بھر کے ارمان اپنی بہنوں پہ نچھاور کردیئے۔

عورت کے اجتماعی حقوق

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اصلاحات عورتوں کے حق میں آیۂ رحمت بن کر آئیں، آپؐ کی تعلیمات نے عورتوں کو تمام بنیادی انسانی حقوق، زندگی کی اساسی ضرورتوں اور کفالتوں میں عملی حیثیت سے مردوں کے برابر لا کھڑا کیا۔ امیر علیؒ کہتے ہیں، "حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آئینی نظام میں عورتوں کو ایسے حقوق عطا کیے جو اس سے پہلے انہیں کبھی نصیب نہ ہوئے تھے، آپؐ نے

---

[1] الشوکانی: نیل الاوطار، جلد، صفحہ ۱۳۷

[2] مسلم شریف، کتاب الرضاع، باب استحباب نکاح البکر

انہیں ایسی ایسی خصوصی مراعات بخشیں جن کی قدر شناسی زمانہ کچھ اور ترقی کرنے کے بعد کرے گا، آپؐ نے تمام قانونی اختیارات و وظائف میں عورتوں کو مردوں کے برابر مرتبہ بخشا[1]۔

عورت کے بنیادی اجتماعی حق مصالح خمسہ یعنی دین، نفس، آبرو، عقل اور مال کی حفاظت کے واقعات سے تو اسلامی معاشرہ کے دور اول کی تاریخ بھری پڑی ہے، یہاں صرف ایک ہی واقعہ کا ذکر کافی ہے جس سے اندازہ ہو جائے گا کہ اس پاکیزہ دور میں عورت کی حرمت و تقدس کا کس قدر احترام تھا۔ "صحاح میں آیا ہے کہ ایک مسلمان عورت بنی قینقاع کے بازار میں کسی کام سے گئی، نقاب اوڑھے ہوئے تھی، ایک یہودی نے اس کی راہ روک کر استہزاء کیا، پھر اُس لعین نے اس خاتون کو بے حجاب کرنے کی کوشش کی تو وہ مدد کو چلائی، فوراً ایک مسلمان دوڑا آیا اور اس مسلمان عورت کی آبرو و تقدس کے دفاع میں ملعون یہودی کو قتل کر دیا[2]"۔

اسلامی معاشرہ نے عورت کو جو حقوق و رعایات عطا کئے تھے ان سے وہ بھرپور فائدہ اُٹھاتی تھی اور جہاں کہیں حقوق تلف ہوتے دیکھتی تو ان کے تحفظ کے لیے پوری جدوجہد کرتی تھی، چنانچہ جب عورتوں کو اپنے شوہروں سے شکایت پیدا ہوتی تو وہ حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا درد دکھ کہتی تھیں اور حضرت عائشہؓ بارگاہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں نہایت پُر زور سفارش کرتی تھیں جیسا کہ بعض واقعات سے عیاں ہے، بخاری میں آتا ہے: "والنساء ینصر بعضهن بعضاً"، یہ نصرت روزمرہ کاموں کے علاوہ ایک دوسرے کے حقوق کے تحفظ میں بھی ہوا کرتی تھی۔

ابن ماجہ میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیویوں پر دست درازی کی عام ممانعت فرما دی تھی۔ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے شکایت کی کہ عورتیں بہت شوخ ہو گئی ہیں ان کو مطیع کرنے کے لیے اجازت ہونی چاہیئے، آپؐ نے اجازت دے دی، لوگ نہ معلوم کب سے بھرے بیٹھے تھے، جس روز اجازت ملی اُسی روز ستر عورتیں اپنے گھروں میں پٹیں گئیں، دوسرے دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان پر فریادی عورتوں کا ہجوم ہو گیا، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے

---

[1] امیر علی: روح اسلام صفحہ ۳۶۸ [2] عبداللہ ناصح علوان: تربیۃ الاولاد فی الاسلام، جلد ۱ صفحہ ۱۹۰

لوگوں کو جمع فرما کر خطبہ دیا اور فرمایا: "لقد طاف اللیل بآل محمد سبعون امرأة کل امرأة تشتکی زوجها فلا تجدون أولئك خیارکم" یعنی آج ستر عورتوں نے اپنے شوہروں کی شکایت کی ہے جن لوگوں نے یہ حرکت کی ہے وہ تم میں ہرگز اچھے لوگ نہیں ہیں .... اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ عہدِ رسالتؐ وصحابہؓ میں عورتیں اپنے حقوق کی کس طرح حفاظت کرتی تھیں ۔

(۲) استقلالِ شخصیت دورِ اوّل میں

استقلالِ شخصیت کے مظاہر، جیسا کہ پہلے بیان ہوا، تین ہیں، اہلیت، حریت اور مسئولیت

اسلامی معاشرہ کے دورِ اوّل میں ان مظاہرِ استقلال کی ایک ہلکی سی جھلک پیشِ خدمت ہے ۔

عہدِ رسالت میں عورتوں کے استقلالِ اہلیت ومسئولیت کی سب سے بڑی مثال یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں سے قبولِ اسلام کی الگ بیعت لیتے تھے اور صرف مردوں کی تبعیت میں ان کی حلقہ بگوشیٔ اسلام کو کافی نہ سمجھتے تھے، جیسا کہ ارشادِ خداوندی "یا أیها النبی إذا جاءك المؤمنات یبایعنك .... الخ (الآیۃ) سے عیاں ہے، اور اس سلسلہ میں عورتیں پوری آزادی کے ساتھ بیعت کے تقاضوں اور احکامِ اسلامی کے بارے میں پوچھا کرتی تھیں، چنانچہ ہند بنت عتبہ نے فتح مکہ کے موقع پر قبولِ اسلام کی بیعت کرتے وقت نہایت دلیری سے باتیں کیں اور پوچھا یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہم سے کن باتوں کا اقرار لیتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا، خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا، ہند بولیں، یہ اقرار آپ نے مردوں سے نہیں لیا لیکن بہر حال ہم کو منظور ہے۔ پھر آپ نے فرمایا اولاد کو قتل نہ کرنا، تو ہند نے دلیری سے کہا: "ربیناهم صغارا وقتلتهم کبارا فانت وهم اعلم"، یعنی ہم نے تو اپنے بچوں کو پالا تھا، بڑے ہوئے تو بدر میں آپؐ نے اُن کو مار ڈالا، اب آپ اور وہ باہم سمجھ لیں، اس دیدہ دلیری کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہند سے درگذر فرمایا تو اُس کے دل پر اس کا بہت اثر ہوا اور بولیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس سے پہلے آپؐ کے خیمہ سے زیادہ میرے نزدیک کوئی مبغوض خیمہ نہ تھا لیکن اب آپؐ کے خیمہ سے زیادہ کوئی خیمہ میرے نزدیک محبوب نہیں ہے۔[۱]

---

[۱] سعید انصاری: حیاۃ الصحابیات، صفحہ ۱۷۰

اہلبیت اجتماعی کی انتہا یہ کہ فتح مکہ کے دن ام ہانیؓ نے ایک مشرک کو پناہ دے دی، حضرت علیؓ نے اسے قتل کرنا چاہا، ام ہانیؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی تو فرمایا "قد اجرنا من اجرت یا ام ھانی"، یعنی اے ام ہانی جسے تم نے پناہ دی ہے وہ ہماری امان میں ہے کیوں کہ المسلمون تتکافا دماءھم ویسعیٰ بذمتھم ادناھم۔

حریتِ نسواں کے سلسلہ میں عورت کے ذاتی مسائل مثلاً نکاح، خلع وغیرہ میں تو اس کی رائے کی نوعیت طے شدہ حق تھا۔ حضرت غنساء بنت جذام بیوہ ہوگئیں تو اُن کے والد نے کسی شخص سے ان کا نکاح کردیا، وہ اس نکاح سے ناخوش تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں آپؐ نے نکاح کو مسترد کردیا۔ ایک صاحب نے اپنی لڑکی کا نکاح مالدار شخص سے کردیا، لڑکی کو ناپسند تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی: "اِن اَبی زوجنی ابن اخیہ برفع بی خسیسہ"، یعنی میرے والد نے مجھے پھنسا کر اپنی کنتائش کا سامان کرنا چاہا ہے، آپؐ نے فرمایا اگر تجھے یہ عقد پسند نہیں تو تو آزاد ہے، بولی: "قد اجزت ما صنع ابی ولکن اردت ان تعلم النساء ان لیس للاٰباء من الامر شیٔ"[1]، یعنی میں اس عقد کو قبول کرتی ہوں مگر میں نے اس لیے پوچھا تاکہ عورتیں یہ جان لیں کہ والدین کو اُن کی مرضی کے خلاف ان پر کوئی تسلط حاصل نہیں۔ اسی طرح بریرہؓ کا مغیث نامی غلام سے نکاح کا معاملہ ہے کہ آزادی کے بعد وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش کے باوجود اس سے نکاح قبول نہیں کرتی۔

عورتوں کو اس قدر حریتِ فکر سے نوازا گیا اور ان کی رائے کو اس قدر وقعت دی گئی کہ بڑے اہم معاملات میں بھی ان سے مشورہ لیا جاتا۔ حضرت حسن بصریؒ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ بیان کرتے ہیں کہ "کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یستشیر حتی المرأۃ فتشیر علیہ بالشی فیأخذ بہ"[2]، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں سے بھی مشورہ لیا کرتے اور ان کی صائب رائے قبول بھی فرمایا کرتے۔

---

[1] ابن ماجہ: باب من زوج ابنتہ وھی کارھۃ [2] ابن قتیبہ: عیون الاخبار، جلد ا صفحہ ۲۷

چنانچہ صلح حدیبیہ کے موقع پر جب صحابہؓ شرائط صلح پر افسوس وحیرت کے باعث احرام کھولنے پر آمادہ نہ تھے، تو حضرت ام سلمہؓ کے مشورہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام کھولا تو صحابہؓ بھی آپؐ کی پیروی میں احرام کھولنے لگے۔ جنازہ کی موجودہ شکل کو حضرت اسماءؓ بنت عمیس کی رائے سے جاری کئے جانے کی روایت پیچھے گذر چکی ہے۔ خلفائے راشدین بھی خواتین سے مشورہ لیا کرتے تھے، ابن سیرینؒ حضرت عمرؓ کے بارے میں کہتے ہیں: "انہ کان یستشیر فی الامر حتی انہ کان یستشیر المرأۃ فربما أبصر فی قولہا الشیٔ یستحسنہ فیأخذ بہ"[1] یعنی فاروق اعظمؓ عورتوں سے بھی مشورہ لیتے اور ان کی پسندیدہ بات کو قبول فرما لیتے۔ چنانچہ حضرت شفاءؓ بنت عبداللہ کے تذکرہ میں ابن عبدالبرؒ لکھتے ہیں: "کانت من عقلاء النساء وفضلائھن وکان عمرؓ یقدمھا فی الرأی ویرضاھا ویفضلھا"[2] یعنی حضرت عمرؓ شفاءؓ بنت عبداللہ کو رائے اور مشورہ میں مقدم رکھا کرتے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے حضرت عثمانؓ کے بارے میں کہا تھا کہ وہ ہم سے مشورہ لیا کرتے تھے[3]

(۲) خصوصی صنفی رعایات

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا ایک بنیادی عنصر عورتوں کا احترام تھا۔ عورت، جسے مشرق مرد کے دامن تقدس کا داغ، روما گھر کا اثاثہ، یونان شیطانی تخلیق، تورات لعنت ابدی کا مستحق اور کلیسا بابِ انسانیت کا کانٹا تصور کرتا ہے، اسلام میں نسیم اخلاق کی نکہت اور چہرۂ انسانیت کا غازہ قرار پاتی ہے[4]۔ اوپر سید امیر علی کا یہ قول گذرا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو ایسی ایسی خصوصی رعایات بخشیں جن کی قدر شناسی زمانہ کچھ اور ترقی کرنے کے بعد کرے گا۔ اور یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے احترام کو اسوۂ اسلامیہ میں شامل فرمایا، چنانچہ وہ عورت جسے دنیا منبع معصیت اور مجسم پاپ سمجھتی تھی، آپؐ نے اس کی قدر افزائی یوں فرمائی: "حبب الی من الدنیا النساء والطیب وجعلت قرۃ عینی فی الصلوۃ" یعنی عورت سے نفرت اور نجاست سے

---

[1] السنن الکبریٰ للبیہقی، جلد ۱۰ صفحہ ۱۱۳ [2] ابن عبدالبرؒ: الاستیعاب، تذکرہ شفاءؓ

[3] تاریخ کامل، جلد ۳ صفحہ ۹۰ [4] سعید انصاری: حیات الصحابیات صفحہ ۷

بیزاری خدا پرستی کی دلیل نہیں، آدمی عورت سے پسندیدہ تعلقات رکھنے کے باوجود خدا کا محبوب بن سکتا ہے، آپؐ نے عورت کو نازک آبگینہ قرار دیا، ایک سفر میں ازواج مطہرات اونٹوں پر سوار تھیں شتربان سے فرمایا: یا أنجشة ارویدك بالقواریر" انجشہ! دیکھنا یہ آبگینے ہیں۔ عورتوں کا احترام اور تقدس اس قدر ملحوظ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو راستہ میں بیٹھنے سے منع فرمایا کہ إیاکم والجلوس فی الطرقات۔ صحابہؓ نے عرض کی: مالنا یا رسول اللہ من مجالسنا بدٌّ نتحدث فیھا۔ کہ آقا! گفتگو کے لیے ایسا ناگزیر ہے، تو پھر فرمایا: فاذا أبیتم إلا المجلس فاعطوا الطریق حقه۔ قالوا وما حق الطریق۔ قال صلی اللہ علیہ وسلم۔ غض البصر، وکف الأذی، ورد السلام، والامر بالمعروف والنھی عن المنکر[1] یعنی اگر نہیں بیٹھنا ہی پڑے تو پھر راستے کے حقوق کا خیال کرو جو یہ ہیں: غضِ بصر، اذیت رسانی سے اجتناب، سلام کا جواب دینا، اور نیکی کا حکم اور برائی سے منع کرنا۔ ظاہر ہے کہ یہ تمام کام عورتوں کے احترام سے بھی متعلق ہیں کہ عورتیں امام بخاریؒ کی تصریح کے مطابق مردوں کو راستوں وغیرہ میں) سلام کیا کرتی تھیں[2] اور غضِ بصر یعنی نگاہیں نیچی رکھنا اور ذرہ برابر اذیت رسانی سے بھی اجتناب احترامِ نسواں کی انتہا ہے۔

صحابہ کرامؓ عورتوں کی عفت، نسوانیت اور تقدس کا کس قدر پاس کیا کرتے تھے، اس کا اندازہ اس ایک واقعہ سے بخوبی ہو جاتا ہے جو اوپر گذرا کہ بنی قینقاع کے بازار میں ایک عورت سے استہزا کی پاداش میں ایک مسلمان نے یہودی کو قتل کر دیا۔

(۴) تکمیل و ترقی کے مساوی مواقع

پیچھے ہم نظری حیثیت سے عورتوں کو اسلام کے عطا کردہ مواقع تکمیل و ترقی اور ان کی حدود و دائرہ اور مقاصد بالاجمال بیان کر آئے ہیں۔ آئیے! اب اسلامی معاشرہ کے دورِ اوّل میں مسلمان عورت کو میسر مواقع علم و عمل اور ملی خدمات کی ایک جھلک دیکھتے چلیں۔

علمی مواقع

عورتوں کی تعلیم کی طرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصی توجہ فرمائی اور انہیں

---

[1] متفق علیہ [2] البخاری، الادب المفرد، اردو صفحہ ۳۰۱

اس سلسلہ میں تمام معاشرتی سہولتیں بہم پہنچائیں ۔ جمعہ و عیدین کے خطبات کے علاوہ کئی مرتبہ نماز کے بعد انہیں احکام کی تعلیم دینے کے لیے تشریف لے جاتے یا اپنے کسی نمائندہ کو بھیجتے، جیسا کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کو بھیجا تھا۔ بعد میں آپؐ نے عورتوں کے مطالبہ پر ہفتہ میں ایک دن ان کی تعلیم کے لیے مختص فرما دیا تھا۔

حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ: "قال النساء للنبی صلی اللہ علیہ وسلم غلبنا علیك الرجال فاجعل لنا یوما من نفسك فوعدھن یوما لقیھن فیه فوعظھن وأمرھن[1]"۔ والدین اور شوہروں کو عورتوں کی حسنِ تعلیم و تربیت کی تلقین فرمائی کہ: من عال ثلاث بنات فأدبھن وزوجھن وأحسن الیھن فله الجنة -

ایک عورت کا نکاح آپؐ نے ایک مفلس شخص سے قرآن کریم کی چند سورتوں کی تعلیم کو مہر ٹھہرا کر کر دیا[2]۔ امہات المؤمنینؓ کو ہدایت فرمائی کہ وہ ہر بات عورتوں کو سکھائیں، اور مسلمانوں سے کہا کہ اپنی نصف تعلیم کے لیے انہیں حضرت عائشہؓ پر بھروسہ کرنا چاہیئے ۔

بلاذری نے لکھا ہے کہ ابتدائی دورِ اسلام میں پانچ خواتین لکھنا پڑھنا جانتی تھیں: اُم کلثوم بنت عقبہؓ، عائشہؓ بنت سعد، مریمؓ بنت مقدادؓ، اور شفاءؓ بنت عبداللہ، حضرت عائشہؓ اور ام سلمہؓ پڑھ سکتی تھیں انہیں لکھنا نہیں آتا تھا[3]۔ حضرت حفصہؓ، حضرت شفاءؓ سے کتابت سیکھتی تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شفاءؓ سے کہا انہیں خوشخطی بھی سکھاؤ۔ اس ساری کوشش و توجہ کا نتیجہ یہ نکلا کہ کل تک جو عورت علم و ادب سے قطعاً نابلد تھی، آج اس کی جویا اور نگہبان و محافظ بن گئی، چنانچہ حضرت عائشہؓ سے صد ہا خواتین نے تعلیم حاصل کی۔ آپؓ انصاری عورتوں کی تعریف میں کہتی ہیں: "نعم النساء نساء الانصار لم یکن یمنعھن الحیاء أن یتفقھن فی الدین"۔ یعنی انصار کی عورتیں بہت ہی اچھی ہیں کہ دین کا فہم حاصل کرنے میں حیاء ان کے آڑے نہیں آتا۔ عموماً صحابہ کرامؓ اپنی اولاد کو خود ہی تعلیم دیتے،

---

[1] بخاری: کتاب العلم، باب ھل یجعل للنساء یوم علی حدة [2] بخاری: کتاب النکاح، باب تزویج المعسر

[3] البلاذری: فتوح البلدان، صفحہ ۴۵۸، ۴۹۸

عورتوں کے لیے گھر پر تعلیم کا انتظام ہوتا، حضرت فاطمہؓ کے کاشانہ مبارک میں بہت سی بچیاں قرآن کریم پڑھا کرتی تھیں، عورتیں اسلامی تعلیمات کا اس قدر گہرائی سے مطالعہ کرتیں کہ بقول حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ "کانت تنزل علینا الآیة فی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فنحفظ حلالھا وحرامھا و أمرھا وزاجرھا ولا نحفظھا" یعنی جو بھی آیت نازل ہوتی ہم اس کے احکام حلت و حرمت و وعید اچھی طرح سے یاد کر لیتے۔
ام سلمہؓ کی کنیز ام الحسن عورتوں کو باقاعدہ وعظ و تبلیغ کیا کرتی تھی۔ علم و تعلیم کے انہی بے پناہ مواقع اور معلم انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہات کا نتیجہ تھا کہ تمام اسلامی علوم و فنون مثلاً تفسیر، حدیث، فقہ و فتاوی، نیز علم اسرار، خطابت، شاعری اور طب و جراحی وغیرہ میں بے شمار صحابیات نے کمال حاصل کیا اور شہرت پائی، جن کے تفصیلی ذکر کی یہاں گنجائش نہیں۔[۲]

مواقع عمل

اسلامی معاشرہ کے دور اول میں خواتین کی ساری صلاحیتیں اور کوششیں صرف علم و حکمت کے میدان تک محدود نہ تھیں بلکہ انہیں احکام شرعیہ کی پابندی کرتے ہوئے اپنی طبعی صلاحیتوں اور وظائف کے مناسب اعمال سرانجام دینے اور کسب رزق کے بھرپور مواقع میسر تھے۔ ذیل میں چند اجمالی اشارات پر اکتفا کیا جاتا ہے:-

خیاطت

حضرت فاطمہؓ بنت شیبہ وغیرہ کے تذکروں سے پتہ چلتا ہے کہ انصار کی عام عورتیں سلائی کا کام کیا کرتی تھیں۔

فلاحت (کاشتکاری)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں خواتین کھیتی باڑی کا کام بھی کرتی تھیں مگر یہ تمام صحابیات کا مشغلہ نہ تھا بلکہ سرسبز مقامات کے باشندوں کے ساتھ مخصوص تھا۔ مدینہ منورہ میں انصار کی تمام عورتیں کاشتکاری کرتیں اور خاص کر سبزیاں بوتی تھیں۔ سہلؓ بن سعد ایک خاتون کا ذکر کرتے ہیں جو اپنی کھیتی میں پانی کی نالیوں کے اطراف چقندر کاشت کیا کرتیں اور جمعہ کے دن سہلؓ اور دیگر صحابہؓ کو چقندر اور آٹے سے تیار کردہ حلوہ کھلاتی تھیں[۳]۔ حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ گھر کا کام کاج

---

[۱] العقد الفرید، جلد ا صفحہ ۲۷۶ [۲] تفصیل کے لیے دیکھئے حیات الصحابیات صفحہ ۲۳۴ تا ۲۵۰
[۳] بخاری: کتاب الجمعة

بھی کرتی تھیں اور اپنے کھیتوں سے گھوڑے کا چارہ اور کھجور کی گٹھلیاں سر پر اٹھا کر لایا کرتی تھیں، کہتی تھیں: "تزوجنی زبیرؓ ..... فکنت أعلف فرسہ واستقی الماء وأخرز غربہ وأعجن ... وکنت أنقل النوی من أرض الزبیرؓ التی أقطعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھی منی علی ثلثی فرسخ"[1]

حضرت جابر بن عبداللہ کی خالہ کو طلاق ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کھیتوں میں جانے اور کھجوروں کے درخت کاٹنے کی اجازت دیتے ہوئے فرمایا: "أخرجی فجذی نخلک لعلک إن تصدقی منہ أو تفعلی خیراً"[2]

تجارت

صحابیاتؓ میں بعض عورتیں تجارت بھی کرتی تھیں، حضرت خدیجہؓ کی تجارت شام سے نہایت وسیع پیمانہ پر تھی، قیلہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی: إنی امرأۃ أبیع و أشتری، اور پھر خرید و فروخت سے متعلق مسائل دریافت کیے[3] خولہؓ، ملیکہؓ، ثقفیہؓ اور ام ورقہؓ وغیرہ عطریات کی تجارت کرتی تھیں۔ حضرت عمرؓ کے دور میں اسماءؓ بنت مخربہ کو ان کے لڑکے عبداللہ بن ابی ربیعہ یمن سے عطر بھیجا کرتے تھے اور وہ اس کا کاروبار کرتی تھیں[4] عمرۃؓ بنت طبیخ کہتی ہیں میں نے ایک مرتبہ اپنی کنیز کے ساتھ بازار جا کر مچھلی خریدی، حضرت علیؓ نے دیکھی تو مچھلی کی تعریف کی۔ ان کے علاوہ حضرت کریمہؓ اور دیگر صحابیات بھی سوداگری کرتی تھیں۔

صناعت (دستکاری)

اسد الغابۃ اور مسند امام احمد بن حنبلؒ کی متعدد روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ صحابیاتؓ عموماً کپڑا بنا کرتی تھیں جو ان کو اور ان کی اولاد کو کافی ہوتا تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی زوجہ زینبؓ صنعت و حرفت کا کام کر کے اپنے گھر کا خرچ پورا کرتی تھیں، ایک دن بارگاہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں عرض کی: "إنی امرأۃ ذات صنعۃ أبیع منہا ولیس لی ولا لزوجی ولا لولدی شیء" اور دریافت کیا کہ وہ گھر والوں پہ خرچ کرتی ہیں کیا انہیں اس کا کوئی ثواب ملتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں تم کو

---

[1] بخاری، کتاب النکاح، باب الغیرۃ [2] ابوداؤد، کتاب الطلاق، باب فی المبتوتۃ تخرج بالنہار

[3] طبقات ابن سعد، جلد ۸ صفحہ ۲۲۵ [4] الاستیعاب، تذکرہ ربیعؓ بنت معوذ

اس کا اجر ملے گا۔[۱] حضرت سودہؓ طائف کی کھالیں درست کرتی تھیں اور ان کو دباغت دیتی تھیں، ان صنعتوں کے علاوہ بعض صحابیات اور کام بھی جانتی تھیں۔

طبابت وجراحت

طب اور جراحت میں رفیدہؓ اسلمیہ، ام مطاعؓ، ام کبشہؓ، حمنہ بنت جحشؓ، معاذہؓ، لیلیٰؓ، امیمہؓ، ام زیادؓ، ربیع بنت معوذؓ، ام عطیہؓ، ام سلیمؓ کو زیادہ مہارت حاصل تھی، یہ جنگ وامن میں مریضوں کا علاج اور زخمیوں کی مرہم پٹی کیا کرتی تھیں، رفیدہؓ کا خیمہ جس میں جراح خانہ بھی تھا مسجد نبویؐ کے پاس تھا۔[۲] ایسی ہی روایت کعیبہؓ بنت سعد الاسلمیہ کے بارے میں بھی آئی ہے[۳] ممکن ہے یہ ایک ہی خاتون کے دو نام ہوں یا راوی کو اشتباہ ہوا ہو۔

علاوہ ازیں کتابت، خطابت اور غناء (گیت گانا) میں بھی بہت سی عورتوں کو مہارت حاصل تھی۔

ملی خدمات کے مواقع

اسلامی معاشرہ کے دورِ اول میں عورتوں کو دینی و ملی خدمات اور اجتماعی رفاہ وبہبود کے کاموں کے بھی بے پناہ مواقع میسر تھے اور وہ ان مواقع سے بھرپور فائدہ اٹھاتی تھیں جس کی ایک ادنیٰ سی جھلک ذیل میں پیش ہے۔

اشاعتِ اسلام

دینی وملی خدمات میں اسلام کی دعوت وتبلیغ سب سے اہم ہے اور اس میں ابتدائے اسلام ہی سے صحابیات کی مساعی جمیلہ کا کافی حصہ شامل ہے، چنانچہ فاروقِ اعظمؓ کا ایمان فاطمہؓ بنت خطاب ہی کی تحریک وتاثیر کا رہونِ منت تھا، حضرت ام شریکؓ مخفی طور پر قریش کی عورتوں کو اسلام کی دعوت دیا کرتی تھیں، قریش کو معلوم ہوا تو ان کو مکہ سے نکال دیا۔[۴] ام حکیمؓ بنت الحارث کی شادی عکرمہؓ بن ابی جہل سے ہوئی تھی، وہ خود تو فتح مکہ کے دن اسلام لائیں مگر ان کے شوہر بھاگ کر یمن چلے گئے، ام حکیمؓ نے یمن کا طویل سفر کرکے انہیں دعوتِ اسلام دی تو وہ مسلمان ہوکر بارگاہِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے[۵]

---

[۱] طبقات ابن سعد، جلد ۸ ص ۲۱۲، وصحیح مسلم [۲] حیات الصحابیات، ص ک [۳] البہی الخولی، الاسلام وقضایا المرأۃ المعاصرۃ ص ۳۰۹

[۴] اسد الغابہ، تذکرہ ام شریکؓ [۵] مؤطا امام مالکؒ، باب نکاح المشرک اذا اسلمت زوجتہ قبلہ

حضرت ابو طلحہؓ نے حالتِ کفر میں حضرت ام سلیمؓ سے نکاح کرنا چاہا تو انہوں نے کہا کہ اسلام قبول کرلو تو وہی میرا مہر ہوگا ورنہ غیر مسلم سے میرا نکاح کیونکر ہو سکتا ہے، چنانچہ وہ مسلمان ہوگئے۔[1]

ارشاد و اصلاح اور احتساب

نظری پہلو کے بیان میں ہم اجتماعی نصب العین کی تحصیل اور ایمانی تقاضوں (امر بالمعروف اور نہی عن المنکر) کی تکمیل میں عورتوں کے کردار کی اہمیت پر روشنی ڈال آئے ہیں۔ اسلامی معاشرہ کے دورِ اوّل میں خواتین معاشرتی اصلاح اور نیکیوں کی ترغیب میں بھرپور کردار ادا کرتی تھیں۔ فتوحاتِ عجم کے بعد نرد بازی شطرنج بازی وغیرہ کا رواج ہوا، حضرت عائشہؓ کے گھر میں کچھ کرایہ دار رہتے تھے، ان کی نسبت معلوم ہوا کہ وہ نرد کھیلتے ہیں، سخت برافروختہ ہوئیں اور کہلا بھیجا کہ اگر نرد کی گوٹیاں باہر نہ پھینک دو گے تو اپنے گھر سے نکلوا دوں گی۔[2] ایک دفعہ کسی عورت نے حضرت عائشہؓ سے کہا کہ میری بیٹی دلہن بنی ہے لیکن بیماری سے اس کے بال جھڑ گئے ہیں کیا مصنوعی بال جوڑ دوں؟ فرمایا! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کی عورتوں پر لعنت بھیجی ہے۔[3] ایک دفعہ شام کی چند عورتیں حضرت عائشہؓ کی زیارت کو آئیں، رومیوں کے اختلاط سے وہاں کی عورتیں بھی حمام میں برہنہ غسل کیا کرتی تھیں، فرمایا! تم ہی وہ عورتیں ہو جو حماموں میں جاتی ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو عورت گھر سے باہر کپڑے اتارتی ہے وہ اپنے اور خدا کے درمیان پردہ دری کرتی ہے۔[4] حضرت سمراءؓ بنت نہیک کے متعلق ابن عبد البرؒ نے لکھا ہے،

کانت تمر فی الاسواق وتامر بالمعروف وتنھی عن المنکر وتضرب الناس علی ذٰلک بسوط کان معھا۔[5] یعنی وہ بازار میں جا کر امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دیتیں اور غلط کاروں کو کوڑے سے مارتیں۔ ایک بار حضرت عائشہؓ کی بھتیجی حفصہؓ بنت عبدالرحمٰن نہایت باریک دوپٹہ پہن کر سامنے آئیں، دیکھتے ہی غصہ سے دوپٹہ کو چاک کر دیا اور فرمایا تم نہیں جانتیں کہ سورۂ نور میں کیا احکام آئے ہیں، اس کے بعد گاڑھے کا

---

[1] اسد الغابہ، تذکرہ زید بن سہل [2] بخاری: ادب المفرد، باب اخراج الذین یلعبون بالنرد [3] مسند احمد، جلد ۶ صـ ۱۱۱

[4] ایضاً، صـ ۱۷۳ [5] الاستیعاب، تذکرہ سمراءؓ

دوسرا دوپٹہ منگا کر اوڑھا دیا۔[1] ایک عورت کی چادر میں نقش و نگار بنے ہوئے دیکھے تو ڈانٹا کہ یہ چادر اتار دو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے کپڑوں کو دیکھتے تھے تو پھاڑ ڈالتے تھے۔[2]
ابن ابی السائب تابعی نے وعظ شروع کیا تو حضرت عائشہؓ نے ان سے کہا مجھ سے تین باتوں کا وعدہ کرو ورنہ بزور تم سے باز پرس کروں گی، عرض کیا ام المؤمنینؓ کیا باتیں؟ فرمایا دعاؤں میں مسجع عبارتیں نہ بناؤ، ہفتہ میں صرف ایک دن وعظ کرو، جب لوگوں کی خواہش ہو تب وعظ کرو۔[3]

اصلاح و احتساب کے سلسلہ میں صحابیات نہ رعایا کی پروا کرتی تھیں اور نہ فرمانرواؤں کی، حضرت عمرؓ کہیں جا رہے تھے، حضرت خولہؓ بنت ثعلب سے ملاقات ہو گئی، وہ وہیں حضرت عمرؓ کو نصیحت کرنے لگیں اور آپؓ خندہ پیشانی سے سنتے رہے۔[4] مہر کی مقدار کی تحدید کے معاملہ میں ایک بڑھیا نے حضرت عمرؓ کو سرِ محفل ٹوک دیا۔[5] حضرت سودہؓ بنت عمارہ اور حضرت عکرشہؓ نے حضرت امیر معاویہؓ کو سختی سے انصاف کی تلقین کی اور ظالم گورنروں کو معزول کرنے پر مجبور کیا۔[6] حجر بن عدی اور اُن کے اصحاب کو قتل کرنے پر حضرت عائشہؓ نے امیر معاویہؓ کی سخت سرزنش کی اور انتہائی ناراضگی کا اظہار فرمایا۔[7] اس طرح کے بے شمار واقعات تاریخ میں محفوظ ہیں۔

شرکتِ جہاد اور خدمتِ مجاہدین

جہاد میں شرکت اور مجاہدین کی خدمت وہ اہم سعادت ہے جس کا موقع صحابیات کو ملا اور انہوں نے جس خلوص اور عزم و استقلال سے اس عظیم خدمت کو نبھایا اس کی نظیر نہیں ملتی غزوہ بدر میں ام ورقہؓ بنت عبداللہ نے شہادت کی آرزو پر شرکت کی اجازت چاہی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہیں گھر ہی میں شہادت عطا ہو گی۔

غزوۂ بدر میں حضرت عائشہؓ، اُم سلیمؓ، ام سلیطؓ، ام عمارہؓ اور دیگر صحابیات شریک ہوئیں، ام عمارہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دفاع میں مردوں کی سی ثابت قدمی اور

---

[1] موطا، کتاب اللباس [2] مسند احمد، جلد ۶، صفحہ ۱۴۰ [3] اسوۂ صحابیاتؓ جلد ۲ صفحہ ۱۸۱ [4] استیعاب، تذکرہ حضرت خولہؓ
[5] فتح الباری، جلد ۹ صفحہ ۱۶۶ [6] العقد الفرید، جلد ۱ صفحہ ۲۱۱ [7] البدایۃ والنہایۃ، جلد ۸ صفحہ ۳۳

بیباکی و شجاعت کا مظاہرہ کیا کہ انتہائی افراتفری اور انتشار کے عالم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدافعت میں تیر و تلوار چلاتی رہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں تعریف فرمائی " وما التفت یمینا ولا شمالا إلا وأنا أراها تقاتل دونی" [1] اُحد کے علاوہ وہ خیبر، حُنین اور یمامہ کی جنگ میں بھی شریک ہوئیں، یمامہ میں انہوں نے اس پامردی سے مقابلہ کیا کہ سترہ زخم کھلئے اور ایک ہاتھ کٹ گیا۔ غزوۂ خندق میں حضرت صفیہؓ نے حیرت انگیز ثبات و بہادری سے عورتوں کے خیمہ پر حملہ آور یہودی کو قتل کر کے یہودیوں کو بھگا دیا۔ حنین میں اسلامی فوج کے قدم اُکھڑ چکے تھے مگر اُم حارثؓ چند باہمت نفوس کے ساتھ پہاڑ کی طرح جمی رہیں۔ جنگِ یرموک میں حضرت اسماءؓ بنت ابی بکرؓ، ام ابانؓ، ام حکیمؓ، خولہؓ، ہندؓ اور ام المؤمنین جویریہؓ نے بڑی دلیری سے جنگ کی اور اسماءؓ بنت یزید انصاریہ نے خیمہ کی چوب سے ۹ رُومیوں کو قتل کر دیا [2] حُنین میں حضرت ام سلیمؓ کا خنجر لے کر نکلنا مشہور بات ہے۔

صحابیات بحری لڑائیوں میں بھی شرکت کرتی تھیں، چنانچہ ۲۸ھ میں جزیرۂ قبرص پر حملہ ہوا تو حضرت ام حرامؓ اس میں شامل ہوئیں [3] غزوات میں قتال کے علاوہ صحابیات اور بہت سی خدمات انجام دیا کرتی تھیں، جن میں اہم ترین یہ ہیں:۔ پانی پلانا، زخمیوں کی مرہم پٹی کرنا، شہیدوں اور زخمیوں کو میدان سے اٹھا کر لے جانا، چرخہ کاتنا، تیر اُٹھا کر دینا، خورد و نوش کا انتظام کرنا، قبر کھودنا اور فوج کو ہمت [4] دلانا وغیرہ۔

حضرت ام سلیمؓ اور انصار کی چند عورتیں زخمیوں کی تیمارداری کی خاطر ہمیشہ غزوات میں شریک ہوا کرتیں، چنانچہ ایک صحابیہؓ جو ۶ غزوات میں شریک ہوئیں کہتی ہیں:۔ "کنا نداوی الکلمی ونقوم علی المرضی" [5] اور ربیعؓ بنت معوذ کا بیان ہے: کنا نغزو مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فنسقی القوم ونخدمهم ونرد القتلی والجرحی الی المدینة [6] اور ام عطیہؓ کہتی ہیں "غزوت مع الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] سیرۃ ابن ہشام، جلد ۳ صفحہ ۲۹ [2] مظہر الدین: اسلام میں حیثیتِ نسواں صفحہ ۱۶۰ [3] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۹۲۹ [4] حیاۃ الصحابیات صفحہ ۴
[5] مسند احمد، جلد ۵ صفحہ ۸۴ [6] البخاری: کتاب الجہاد، باب رد النساء الجرحی والقتلی۔

سبع غزوات اخلفھم فی رحالھم فأصنع لھم الطعام وأداوی الجرحیٰ و أقوم علی المرضیٰ[1] غزوات میں شریک ہو کر مختلف خدمات انجام دینے والی چند دیگر صحابیات کے نام یہ ہیں :۔ اُمِ ایمنؓ، حمنہؓ بنت جحش، سلمیٰؓ زوجۂ ابی رافع، ام عامرؓ، ام خلادؓ انصاریہؓ، کعیبہؓ بنت سعد اور ربیصاءؓ زوجۂ ابی طلحہؓ وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن۔

خدماتِ متفرقہ

مذکورہ بالا مذہبی، ملی اور رفاہی خدمات کے علاوہ اور بھی بہت سے سماجی و فلاحی کام سرانجام دیا کرتی تھیں جن کے انہیں مواقع میسر تھے، اس سلسلہ میں بعض سیاسی خدمات جیسے خلفاء کو مشورہ دینا، امان دینا، نومسلموں کی کفالت کرنا جیساکہ ام شریکؓ کا گھر نومسلموں کے لیے مہمان خانہ بن گیا تھا۔[2] اور مساجد کی صفائی وغیرہ کرنا، چنانچہ ایک بار کسی نے مسجد نبوی میں تھوک دیا تھا، رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم دیکھ کر اس قدر برہم ہوئے کہ چہرۂ مبارک سرخ ہو گیا، ایک صحابیہؓ اٹھیں اُس کو مٹا دیا اور خوشبو لگائی، آپؐ نہایت خوش ہوئے اور فرمایا کہ خوب کام کیا۔ ایک صحابیہؓ ہمیشہ مسجد میں جھاڑو دیا کرتی تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نیک کام کی نہایت قدر فرمائی، چنانچہ جب ان صحابیہؓ کا انتقال ہوا تو صحابہؓ نے ان کو راتوں رات دفن کر دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع نہ دی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ مجھے کیوں نہیں خبر کی، صحابہؓ نے عرض کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم استراحت فرما رہے تھے، ہم نے تکلیف دینا گوارا نہیں کیا۔[3]

اسلامی معاشرہ کے دورِ اوّل میں پردہ

عہدِ رسالتؐ اور دورِ صحابہؓ میں خواتین اسلام کے ان مذکورہ کاموں اور خدمات میں بھرپور حصہ لینے سے بعض ترقی پسند لوگ اس گمان میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ اُس پاکیزہ عہد میں عورتیں پردہ ہرگز نہیں کرتی تھیں، چنانچہ "پردہ اور تعدد ازدواج" کے مصنف مظہر الحق خان نے یہ خیالِ فاسد پھیلانے کی بھرپور کوشش کی ہے، وہ چند احادیث کی فاسد تاویلات کرنے کے بعد کہتے ہیں "ان احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قرونِ اولیٰ (قرونِ اولیٰ سے مراد وہ

---

[1] مسلم، باب النساء الغازیات [2] مسلم، کتاب الطلاق [3] حیات الصحابیات صفحہ ۳۳

عہدِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور دورِ خلافتِ راشدہ لیتے ہیں) کے مسلمانوں میں پردہ، بُرقعہ اور زنانخانہ
قسم کی چیزیں نہیں تھیں اس کے برعکس مسلمان عورتیں آزادانہ طور پر گھر سے باہر کے کاموں میں اور
تکمیلات میں حصہ لیتی تھیں، تاہم یہ حالات خلافت بنوامیہ کے آخری ایام تک قائم رہے اس کے
بعد ایسے حالات پیدا ہونے لگے جن سے مسلمانوں میں پردے کا رواج شروع ہوگیا۔"[1]
موصوف کا یہ گمان سراسر بے بنیاد ہے، وہ مقدس خواتین جن کی زندگیاں شریعت کے احکام
کی عملی تصویر تھیں اور جو احکام حجاب کے نزول کی خبر ملتے ہی جہاں تھیں وہیں اپنے کمر بند
(نطاق) پھاڑ پھاڑ کر اپنے چہرے ڈھانپنے لگی تھیں، ان کے بارے میں بے پردگی کا تصوّر
مضحکہ خیز ہی نہیں کور باطنی کا بھی آئینہ دار ہے، عہدِ رسالت و خلافتِ راشدہ میں خواتین پردے
کا مکمل اہتمام کرتی تھیں، نقاب پوش رہتی تھیں، محفہ میں سفر کرتی تھیں، اور غیر محرم حتیٰ کہ نابینا
(جیسا کہ ابن ام مکتوم سے حجاب کے حکم کا واقعہ مشہور ہے) سے بھی پردہ کرتی تھیں۔ حضرت عائشہؓ
فرماتی ہیں کہ حجۃ الوداع کے موقع پر جب لوگ ہمارے سامنے سے گذرتے تھے تو ہم چہرے پر
چادر ڈال لیتے تھے، لوگ گذر جاتے تھے منہ کھول دیتے تھے۔"[2] ایک صحابیہؓ کا بیٹا شہید ہوا
وہ نقاب پہن کر آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، صحابۂ کرامؓ نے ان کو دیکھ کر کہا بیٹے کی شہادت
کا حال پوچھنے آئی ہو اور نقاب پوش ہو کر؟ بولیں میں نے اپنے بیٹے کو کھو دیا ہے شرم و حیا کو
تو نہیں کھویا۔"[3] حضرت عائشہؓ کا مذہب ہے کہ غلام سے پردہ ضروری نہیں اس لیے آپؓ حضرت
ابو عبداللہ سالمؒ سے جو نہایت متدین غلام تھے پردہ نہ کرتی تھیں، ایک دن وہ آئے اور کہا کہ "خدا
نے آج مجھے آزاد کر دیا" چونکہ اب وہ غلام نہیں رہے تھے اس لیے حضرت عائشہ صدیقہؓ نے
پردہ گروا دیا اور عمر بھر ان کے سامنے نہ ہوئیں[4] ایک بار حضرت افلح بن ابی القیسؓ حضرت
عائشہ صدیقہؓ کی ملاقات کو آئے، آپ پردہ میں چھپ گئیں، وہ بولے "تم مجھ سے پردہ کرتی ہو!
میں تمہارا چچا ہوں کیونکہ میرے بھائی کی بیوی نے تم کو دودھ پلایا ہے۔" آپؓ نے جواب دیا "مرد

---

[1] پردہ اور تعدد ازواج، ص۱۳۱ [2] ابو داؤد، کتاب المناسک، باب فی المحرم المغطی وجہہا
[3] ابو داؤد، کتاب الجہاد، باب فضل قتال الروم علی غیرہم من الامم [4] نسائی، کتاب الطہارۃ، باب مسح المرأۃ رأسہا

نے تو دودھ نہیں پلایا[۱]۔ یہ اور اس قسم کے دیگر بے شمار واقعات اسلامی معاشرہ کے دورِ اوّل میں پردہ کے وجود کی اٹل شہادت ہیں۔ باقی رہا عورتوں کا اعمال و تکمیلات میں حصہ لینا، تو یہ آزادانہ اور بے حجابانہ نہ تھا جیساکہ مظہر صاحب نے سمجھا ہے، بلکہ عام روزمرہ کے کاموں میں تو صحابیاتؓ ہمیشہ باپردہ اور باحیا حصہ لیتی تھیں، البتہ غزوات میں شرکت ایک استثنائی صورت تھی جو ضرورت پر مبنی تھی کہ قاعدہ شرعیہ ہے "الضرورات تبیح المحظورات"، یعنی ضرورت احکام کو بدل دیتی ہے لیکن یہ تبدیلی صرف ضرورت کی حد تک ہی ہوتی ہے عام نہیں ہوسکتی، جیساکہ قاعدہ ہے "الضرورات تقدر بقدرھا"، چنانچہ جنگ کی استثنائی حالت کے احکام صرف جنگ کی حد تک ہی محدود رہتے ہیں۔

مولانا مودودی رقمطراز ہیں: "مسلمان جنگ میں مبتلا ہوتے تھے، عام مصیبت کا وقت ہے..... ایسی حالت میں اسلام قوم کی خواتین کو عام اجازت دیتا ہے کہ وہ جنگی خدمات میں حصہ لیں..... کیونکہ جہاں حقیقی ضروریات پیش آجائیں وہاں پردہ کے حدود کم بھی ہوسکتے ہیں..... لیکن جب ضرورت رفع ہوجائے تو حجاب کو پھر انہی حدود پر قائم ہوجانا چاہیے جو عام حالات کے لیے مقرر کئے گئے ہیں"[۲]

---

[۱] ابوداؤد، کتاب النکاح، باب لبن الفحل۔ (دیکھئے حیات الصحابیات ص۲۲۶)

[۲] پردہ، ص۳۷۹، ص۳۸۱

اسلامی معاشرہ کے قرون وسطیٰ میں حیثیت نسواں : قرون وسطیٰ سے ہماری مراد اموی، عباسی اور اندلسی خلافت کا دور ہے۔ اسلامی تہذیب وتمدن کے ارتقاء و عروج کا یہ دور، جیسا کہ اوپر عمومی ملاحظات کے ضمن میں بیان ہوا، بحیثیت مجموعی اسلامی اقدار و احکام کے مطابق متشکل معاشرہ کا دور تھا۔ خارجی عوامل کے زیر اثر یا سیاسی مفادات کے باعث بعض انفرادی انحرافات سے قطع نظر ہمارے پیش نظر معاشرہ کی عمومی صورتحال ہے۔ اسلامی معاشرہ کے قرون وسطیٰ میں حیثیت نسواں کا یہ عملی جائزہ اجمالی اور اشاراتی ہونے کے باوصف متعین مفہوم حیثیت کے چاروں پہلوؤں پر محیط ہے جو حسب ذیل ہیں۔

ا۔ قرون وسطیٰ میں حقوق نسواں : یہ حقیقت ہے کہ عورتوں کو اسلام کے عطا کردہ عائلی اور تمدنی حقوق معاشرہ کے ہر دور میں میسر رہے ہیں۔ انفرادی انحراف سے، جو ہر معاملہ میں ممکن ہے، قطع نظر اسلامی معاشرہ نے کسی بھی دور میں بہ حیثیت مجموعی عورتوں کے عائلی اور اجتماعی حقوق سلب کر لینے کی کوشش و جرأت نہیں کی۔ اس سلسلہ میں قرون وسطیٰ کی ایک ہلکی سی جھلک پیش خدمت ہے۔

عائلی حقوق : اسلامی معاشرہ کے قرون وسطیٰ میں عورت کی عائلی مظلومیت کا گمان فاسد مستشرقین اور ان کی تقلید میں بعض مسلمان مستغربین نے بھی پھیلانے کی کوشش کی ہے اور اس سلسلہ میں حرم سسٹم پر تنقید کی ہے ترقی پسند مصنف مظہر الحق خان لکھتے ہیں : حرم کا رواج اور خلیفہ ولید دوم کے عہد میں شروع ہوا، اموی حکمرانوں اور اشرافیہ نے بازنطینی مملوں کی طرح مخنث غلاموں کو اپنی بیویوں اور کنیزوں کی محلوں اور مکانوں میں پہرہ داری اور نگرانی کے کام پر مامور کر دیا۔ ایسا محل یا مکان یا اس کا ممنوعہ حصہ حرم کہلاتا تھا۔ خلافت عباسیہ کے قیام کے بعد حرم کا رواج اشرافیہ سے پھیل کر متوسط بلکہ غریب طبقوں تک پہنچ گیا اور خلافت کے دور افتادہ قصبوں تک پھیل گیا آگے چل کر وہ اس کے نتائج بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں : پردہ یا حرم سسٹم کے نتائج صاف تھے۔ اس نے عباسی دور کی مسلمان عورت کو معذور اور مجبور ہستی بنا دیا، اس کی سابقہ آزادی اور احترام ختم ہو گئے اب وہ مردوں کے ہاتھوں میں کھلونا بن گئی جس کی خرید و فروخت سر عام ہونے لگی (وہ مزید کہتے ہیں : حرم سسٹم کے نفوذ اور غیر محدود کثرت ازدواج اور کنیز داشتگی کی وجہ سے مسلمان عورت کی تذلیل اور

رسوائی انتہا کو پہنچ گئی بلکہ اب اس کی انسانی ہستی اور شخصیت سے بھی انکار ہونے لگا، اس کو زر خرید شئے یا اپنے قرابتداری گروہوں کی ملکیت اور مملوکہ تصور کیا جانے لگا ظاہر ہے کہ ایسی عورت کے لیے باہر کی دنیا کے کام کاج، سرگرمیوں اور تکمیلات میں حصہ لینے کا سوال پیدا نہیں ہوتا تھا۔[1]
موصوف نے اسلامی سلطنت کے زوال کا تجزیہ کرنے کے لئے جو مزعومہ سائنٹفک طریق اختیار کیا اور جو تصوراتی اور خیالی تانا بانا اس کے حوالے سے وہ زندگی اور تاریخ کے واقعی حقائق سے چشم پوشی کرتے ہوئے صرف اپنے خیالی حالات اور ان کے نتائج بیان کرتے ہوئے آگے بڑھتے چلے گئے استشراقی اور استغرابی انداز فکر کی آمیزش کے سوا، وہ قرون وسطائی اسلامی معاشرے میں عورت کی تذلیل کا کوئی ایک بھی عملی اور واقعی مظہر نہ پیش کر سکے۔ ہم اس سلسلہ میں تفصیلی بحث کی بجائے انہی کے پیشوا مستشرقین مبنی بر حقیقت اعترافات کے بیان پر ہی اکتفا کریں گے۔
گستاؤ لیبان رقمطراز ہے۔ لفظ حرم عربی میں عموماً کل ان چیزوں کو شامل ہے جن کی حرمت کی جاتی ہے۔ یوں حرم سے مراد مکان کا وہ حصہ ہے جو بالکل علٰحدہ اور فی الواقع ہر مسلمان کی نظروں میں محترم ہے۔ یعنی عورتوں کی سکونت کا حصہ[2]۔ پھر وہ کہتے ہیں "اہل یورپ عموماً حرم کو ایک مقام عیش و عشرت سمجھتے ہیں۔ جہاں مصیبت زدہ قیدی عورتیں کاہلی کی زندگی بسر کرتی ہیں۔ لیکن یہ خیال بالکل خلاف واقع ہے۔ کیونکہ مشرقی بیویوں کو برخلاف یورپی عورتوں کے جو معاملات کے جھگڑوں اور محنت جسمانی کی تکالیف میں مبتلا ہیں، بجز خانہ داری کے اور کوئی شغل نہیں اور یہی شغل ان کے لیے موزوں بھی ہے[3]۔ موسیو ایبرس لکھتے ہیں: اگرچہ مشرقی عورتیں اپنی یورپ کی بہنوں کی نظروں میں مصیبت زدہ معلوم ہوتی ہیں لیکن وہ اپنے کو قیدی نہیں سمجھتی ہیں اور اکثر انہوں نے ان یورپی بیبیوں سے جو ان سے ملی ہیں بیان کیا ہے۔ کہ وہ ہرگز اپنی حالت کو ان

---

[1] پردہ اور تعدد ازدواج: مظہر الحق: ۱۱۰

[2] تمدن عرب: اردو ص ۳۷۹

[3] ایضاً

کے ساتھ تبدیل نہیں کرنا چاہتیں[1] اسی طرح کا قول موسیو دسے و وثرانی اور بعض دیگر مستشرقین سے بھی منقول ہے۔ سید امیر علی لکھتے ہیں "خان ہیمر کے نزدیک حرم ایک مأمن ہے۔ اس میں غیر مردوں کو آنے کی جو ممانعت ہوتی ہے وہ اس لیے نہیں ہوتی۔ کہ عورتوں کو قابل اعتماد نہیں سمجھا جاتا بلکہ رسم و رواج نے انہیں جو حرمت بخش رکھی ہے اس وجہ سے۔ کیا ایشیا اور کیا یورپ دونوں کے مسلمانوں میں عورت کا جو احترام ہے۔ اس کی بین شہادت ہر جگہ بآسانی مل سکتی ہے[2]"۔ اسی طرح تعدد ازدواج جسے مظہر الحق خان تمام معاشرتی خرابیوں کی جڑ اور تذلیل نسوانیت کی اساس گردانتے ہیں۔ کے بارے میں گستاؤلی بان کا یہ اعتراف حقیقت قابل غور ہے "مؤرخین یورپ کی نظروں میں تعدد ازدواج گویا عمارت اسلامی کی بنیاد کا پتھر اور اشاعت دین اسلام نیز مشرقیوں کے تنزل کا بڑا سبب ہے۔ اس رسم کی مذمت کے ساتھ ہی ان بیچاری بد نصیب عورتوں کی نسبت بھی بہت کچھ واویلا مچایا جاتا ہے۔ جو حرموں کی دیواروں میں بند اور مہیب خواجہ سراؤں کے پنجہ میں گرفتار ہیں اور جو اپنے مالکوں کی ادنی ناراضی پر بے رحمی کے ساتھ مار ڈالی جاتی ہیں یہ تصویر بالکل خلاف واقع ہے۔ اور ہمیں امید ہے۔ کہ اس باب کے پڑھنے والے جو تھوڑی دیر کے لیے اپنے یورپی تعصبات کو ایک طرف رکھ دیں، قائل ہو جائیں گے کہ مشرقی تعدد ازدواج کی رسم ایک، نہایت ہی عمدہ نظام معاشرت ہے۔ جس نے ان اقوام کو جن میں یہ جاری ہے۔ اعلیٰ درجہ کی اخلاقی ترقی تک پہنچایا ہے۔ اور ان کے تعلقات خانگی کو مستحکم کیا ہے اور اس رسم کا نتیجہ ہے کہ بمقابل یورپ کے مشرق میں عورتوں کا اعزاز بھی زیادہ ہے[3]، ڈاکٹر ایڈام بیر بہت درست لکھتے ہیں کہ: یہ نہیں کہا جا سکتا کہ مشرقیوں میں عورتوں کی بداطواری یا بے وفائی اس قدر خانہ بربادی ہوتی ہے جیسے یورپ میں جہاں کی طرز معاشرت کا اثر عورتوں پر تعدد ازدواج سے بمدارج بدتر ہے[4]"۔ یہ تھی حرم سسٹم اور تعدد ازدواج کے قرون وسطائی اسلامی معاشرے پر

---

[1] امیر علی، روح اسلام، اردو: ص ۳۹۴

[2] تمدن عرب: ص ۳۷۸

[3] ایضاً

[4] ایضاً

اثرات کی حقیقت اور واقعی صورت، باقی رہا قرونِ وسطیٰ میں عورت کے عائلی حقوق کا مسئلہ تو اس سلسلہ میں بالاجمال عرض ہے کہ وہ تمام حقوق جو اسے ماں، بیٹی، بہن اور بیوی کی حیثیت میں اسلام نے عطا کیے ہیں۔ اسلامی معاشرہ کے قرونِ وسطیٰ میں اسے پوری طرح حاصل تھے۔ موسیو دے ایلس کے بقول: "شوہر اپنی بیوی کے ساتھ نہایت خلق اور مدارات سے پیش آتا تھا، کوئی مرد عورت سے مزدوری کرا کے اس کی کمائی نہیں لیتا، مرد ہی عورت کو دیتا تھا۔ اور ماں کی عزت تو پرستش کی حد تک کی جاتی تھی"[۱] آدم متز (...) لکھتے ہیں:

اس دور میں بیٹی کی ولادت عموماً حقیقی مسرت اور خوشی و راحت کا ذریعہ سمجھی جاتی اور لوگ ایک دوسرے کو بیٹیوں کی ولادت پر مبارکباد اور تہنیت کے پیغامات بھیجتے اور اشعار میں بھی اس کا اظہار کرتے[۲] بیٹیوں کی حسن تربیت اور عمدہ پرورش کے بعض مظاہر آگے بیان ہونگے

ایبرس کہتا ہے: "ہم انکار نہیں کر سکتے کہ عربوں کی خانگی زندگی کا مذاق بہت ہی مفید اور اعلیٰ درجہ کا ہے"[۳]۔

اجتماعی حقوق: اسلامی معاشرہ کے قرونِ وسطیٰ میں اجتماعی سطح پر عورتیں تمام انسانی حقوق اور بنیادی ضروریاتِ زندگی اور کفالتوں میں مردوں کے مساوی تھیں۔ گستاؤ لیبان کہتا ہے۔ "عربوں میں باہمی مساوات کا خیال بے انتہا ہے۔ یہ مساوات جو یورپ میں اس زور و شور سے بیان کی جاتی ہے مگر جس کا وجود ہمارے ہاں محض کتابوں میں ہے، عربوں میں نہایت ہی عملی طور پر مستحکم اور مشرقی طرز معاشرت کا جزو ہو گئی ہے مدارج تمدن کی وہ سخت تفریقات جنہوں نے مغرب میں انقلابات عظیم پیدا کیے ہیں اور آئندہ ان سے بھی زیادہ انقلابات پیدا کرنے کیلئے تیار ہو رہے ہیں مسلمانوں میں مطلق نہیں پائے جاتے"[۴]۔

---

[۱] تمدن عرب: ص ۳۷۷

[۲] الحضارۃ الاسلامیہ فی القرن الرابع الہجری، عربی: جلد ۲: ص ۱۲۹

[۳] تمدن عرب: ص ۳۷۷

[۴] تمدن عرب: ص ۳۶۰

بنا بریں اسلامی معاشرہ کے اس دور میں عورتوں کے حقوق اور ان کے مصالح خمسہ (یعنی دین، نفس، آبرو، عقل اور مال) کا تحفظ اسی طرح معاشرہ کی ذمہ داری تھی۔ جس طرح مردوں کے حقوق اور مصالح کا تحفظ بلکہ عورتوں کے صنفی استحقاقات و رعایات کی رو سے ان کا تحفظ زیادہ ضروری سمجھا جاتا۔ سید امیر علی رقمطراز ہیں: "اسلام کا سورما، حلف الفضول کے بانی کا سچا شاگرد، کمزوروں اور مظلوموں کی دادرسی کرنے کے لیے بھی ہر وقت اتنا ہی تیار رہتا تھا جتنا دشمنان خدا کے خلاف تیغ و سنان سے جہاد کرنے کے لیے ... خلیفہ ایوان ضیافت میں دسترخوان پر بیٹھا ہے۔ کہ اس کے کانوں میں ایک عرب لڑکی کی آواز پڑتی ہے جسے ہسپانیوں نے اسیر کر رکھا ہے۔ وہ وہیں کھانے کی رکابی اپنے سامنے سے ہٹا دیتا ہے اور عہد کرتا ہے۔ کہ جب تک لڑکی کو آزاد نہ کرالے اس وقت تک پانی کا ایک قطرہ بھی لبوں کو نہ چھلائے گا، اسی وقت وہ اپنا لشکر لیکر رومی اوباشوں پر حملہ آور ہوتا ہے۔ اور لڑکی کو آزادی دلا کر خود اپنے عہد سے آزادی حاصل کرتا ہے۔[۱] حجاج بن یوسف عراق میں بیٹھا سندھ کے راجہ داھر کے غنڈوں کی قید میں ایک مسلمان عورت کی پکار سنتا ہے تو فوراً اپنے بھتیجے محمد بن قاسم کو فوج دے کر اس دختر اسلام کی آزادی اور تحفظ کی خاطر برصغیر کی پوری ہند و راجدھانی کو تہ تیغ کرنے کے لیے بھیج دیتا ہے۔ اسی طرح معتصم کے عہد میں جب رومیوں نے عورتوں کو قیدی بنالیا تو ایک ہاشمی عورت نے معتصم کو چیخ کر مدد کے لیے پکارا وہ فوراً اس پکار پر لشکر لے کر آگے بڑھا اور جنگ عموریہ میں روم پر فتح حاصل کی۔[۲]

معاشرہ میں عورتوں کو اپنے حقوق کے استعمال اور تحفظ کی مکمل آزادی حاصل تھی۔ اس سلسلہ میں قضاء کے دروازے ان کے لیے بھی اسی طرح کھلے تھے جس طرح مردوں کے لیے۔ اس کا ثبوت ان فقہی احکام سے بخوبی ملتا ہے جو عورتوں کے حق دعویٰ حقوق شخصیہ تھے (حضانت رضاعت، طلاق و خلع، و نکاح و مہر وغیرہ) اور مطالبہ حقوق عینیہ و دینیہ (جیسے حق خصومت، حق تعیین وکیل، قصاص وغیرہ کے مطالبہ میں عورت کا مساوی استحقاق اور دیگر حقوق) سے متعلق

۱؎ روح اسلام: ص ۳۹۸

۲؎ حسن ابراہیم حسن: تاریخ الاسلام السیاسی والثقافی والاجتماعی: جلد ۱: ص ۱۳۱ہ۔

کتب فقہ میں بالتفصیل مذکور ہیں۔ ظاہر ہے۔ کہ یہ فقہی احکام قرون وسطیٰ کے مسلمانوں میں ہر جگہ نہ صرف شخصی (نجی) اور ادارۂ افتاء کی معنوی قوت تنقید[1] کے زیر اثر بلکہ ادارۂ قضاء کے ذریعہ بھی پوری طرح نافذ رہے۔ اس لیے یہ احکام شریعت کے نظریاتی مؤقف کے ساتھ ساتھ اسلامی معاشرہ کے عملی اور واقعی حالات کی بھی عکاسی کرتے ہیں۔

۲۔ استقلال شخصیت قرون وسطیٰ میں: استقلال شخصیت عبارت ہے۔ اہلیت دینی واجتماعی واقتصادی مسئولیت اور حریت سے۔ چونکہ اس اہلیت و مسئولیت اور حریت کے مختلف مظاہر حقوق نسواں، صنفی رعایات اور مساوی مواقع تکمیل و ترقی کے ضمن میں بیان ہو رہے ہیں اس لیے ہم الگ سے حیثیت نسواں کا یہ پہلو بیان کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔

۳۔ خصوصی صنفی رعایات: اسلامی معاشرہ کے قرون وسطیٰ میں ہر جگہ اور ہر علاقہ میں عورتوں کو نہایت عزت و تکریم اور شرف و احترام میسر تھا۔ شام و عراق کی اموی سلطنت ہو کہ بغداد کی عباسی خلافت ہو یا اندلس کی مسلمان ریاست اور مصر کی فاطمی حکومت ہر جگہ اس صنف نازک کو خصوصی عزت و احترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ گستاؤ لیبان رقمطراز ہے[2] علاوہ ان قانونی حقوق کے عورت کا نہایت اعزاز کیا جاتا ہے۔ اور ان وجوہات سے مشرقی عورتوں کی حالت اس قدر عمدہ ہے۔ کہ منصف سیاحوں نے اس کا اعتراف کیا ہے موسیو دے ایلس کہتا ہے "عورتوں کا عموماً بڑا اعزاز ہے اور ان کے ساتھ مردانہ اخلاق برتا جاتا ہے۔ کوئی شخص راستہ میں کسی عورت پر ہاتھ ڈالنے کی جسارت نہیں کرتا یہاں تک کہ لڑائی جھگڑے کے وقت بھی ایک ادنی سپاہی بدزبان سے بدزبان عورت کے ساتھ بھی بری طرح پیش نہیں آتا۔ دوسری جگہ وہ لکھتا ہے۔ اہل یورپ میں سپاہیانہ اخلاق جس کا ایک بڑا جزو عورتوں کا برتاؤ تھا عربوں اور بالخصوص اندلسیوں سے آیا...

---

[1] ادارہ افتاء کی معنوی قوت تنقید کو ہم نے اپنے رسالہ "اسلامی ریاست میں نفاذ عدل کے ادارے" میں بالتفصیل بیان کیا ہے

[2] تمدن عرب: ص ۳۷۷

اوائل ازمنہ متوسطہ کے عیسائی سردار عورتوں کا پاس نہیں کرتے تھے۔ عربوں نے عیسائیوں کو عورتوں کا لحاظ سکھایا[1]، اور چونکہ مشرق میں بمقابل یورپ کے عورت ہمیشہ زیادہ معزز اور محترم رہی، اس لیے تعلیم و تربیت اور آسودگی میں بھی وہ اپنی مغربی بہنوں سے عموماً زیادہ فائق ہے[2]۔ باپ کے مقابلہ میں ماں کی عزت و تکریم ہمیشہ زیادہ رہی بیٹیوں کی ولادت، جیسا کہ پیچھے ذکر ہوا، باعث مسرت و سعادت سمجھی جاتی۔ الغرض عورتوں کو ہر روپ میں صنف نازک ہونے کے ناطے خصوصی تقدس و احترام اور عنایت و توجہ حاصل رہی۔ بیوی کے لیے راحت و آسائش کا ہر ممکن اہتمام کرنا ہر مسلمان کی عادت بن گئی تھی۔ موسیو دے دوژانی کہتا ہے "مسلمان عورتیں حرم کی زندگی کو ہرگز مصیبت خیال نہیں کرتیں کہ ان کے شوہر جو کچھ تکلف ان کے لیے کرتے ہیں۔ وہ انہیں آسودہ اور قانع کر دیتا ہے۔ کیونکہ مسلمانوں میں جس قدر عمدہ چیزیں ہیں۔ وہ حرم کے لیے ہیں اور ہر ایک مسلمان اپنی بیویوں کے گھروں پر ساری آسائش اور زنزاکتوں کو ختم کر دیتا ہے۔ اور بمقابل اس کے خود بہت ہی سادگی پر قناعت کرتا ہے[3]۔"

قرون وسطی میں عورتوں کے تحفظ اور پاسبانی کے چند واقعات اوپر بیان کیے گئے ہیں جن سے ان ادوار میں حیثیت نسواں کا یہ عملی پہلو بخوبی واضح ہو جاتا ہے۔

۴۔ مساوی مواقع عمل و تکمیل : مظہر الحق خان نے پردہ اور تعدد ازواج میں سب سے زیادہ یہ چیز ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ کہ اسلامی معاشرہ کے قرون وسطی میں پردہ، حرم سسٹم اور تعدد ازواج ایسے اداروں نے معاشرہ کو سراسر غیر تکمیلی بنا دیا کیونکہ عورتوں سے تعلیم، عمل اور تکمیل و ترقی کے مواقع اور سہولتیں سلب کر لیں سطور ذیل میں ہم اس گمان کا پردہ چاک کرنے کے لیے۔ کسی قدر تفصیل سے ان ادوار اسلام میں عورتوں کو میسر مواقع کا علمی و عملی جائزہ لیں گے۔

---

[1] تمدن عرب: ص: ۳۷۰

[2] ایضاً کتاب: ص ۳۸۲

[3] تمدن عرب: ص ۳۷۸

مواقع تعلیم و ثقافت: قرون وسطیٰ میں حصول علم کی راہ میں حائل بے پناہ مشکلات جیسے طویل سفر، مشقت جسمانی و نفسی اور قلت وسائل وغیرہ، کے باوجود اسلامی معاشرہ کے مشرق و مغرب میں ہر جگہ عورتوں کو تعلیم کے بہت مواقع میسر آئے۔ ان مواقع سے بے شمار خواتین نے فائدہ حاصل کیا اور اس عہد کی ثقافت کے ہر شعبے میں نمایاں حصہ لیا۔ ذیل میں اس کی ایک ادنیٰ سی جھلک پیش کی جاتی ہے۔

طریق تعلیم: پردہ و حجاب کے مخالفین عموماً یہ کہا کرتے ہیں کہ پردہ نشیں عورتیں اچھی طرح تعلیم نہیں پا سکتیں اسی لیے قرون وسطیٰ کے اسلامی معاشرے میں بقول ان کے عورتیں تعلیم و تربیت سے محروم تھیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ تعلیم کا تعلق پردہ یا بے حجابی سے نہیں بلکہ اس میں بڑا دخل توجہ و رغبت کو حاصل ہے۔ اگر کسی قوم کی عورتیں تعلیم کی طرف راغب و متوجہ ہوں تو پردہ میں بھی بے پناہ تعلیم حاصل کر سکتی ہیں ورنہ بے پردگی میں بھی کچھ نہیں ہو سکتا بلکہ اسلامی تاریخ کی واقعی شہادت سے یہ حقیقت کھلتی ہے۔ کہ پردہ تعلیم میں معاون و مددگار اور بے پردگی مخل ہے۔ کیونکہ تعلیم کے لیے یکسوئی اور اجتماع خیال کی ضرورت ہے۔ اور وہ گوشۂ تنہائی میں زیادہ حاصل ہوتی ہے۔ ایک حدیث پاک جس کا مفہوم یہ ہے کہ "جو شخص اجنبیہ عورت سے نگاہ بچائے رکھے تو حق تعالیٰ اس کے قلب میں وہ علم و معرفت پیدا فرمائیں گے جو پہلے سے اسے حاصل نہ ہو گا" کے مطابق علم کی ترقی اخلاق فاضلہ حیاء، عفت، غیرت اور تقویٰ و طہارت کی ترقی سے وابستہ ہے، علم کے اخلاق فاضلہ سے نشو و نما پانے کے بارے میں امام شافعیؒ کا یہ قطعہ کس قدر حکیمانہ ہے کہ ؎

شكوت الى وكيع سوء حفظي — فاوصاني الى ترك المعاصي
فان العلم نور من اللہ — ونور الله لا يعطى لعاصي

اسلامی معاشرہ کے دور اول اور قرون وسطیٰ میں اعمال صالحہ اور حیاء و عفت ترقی پر تھے کیونکہ پردہ و حجاب کے شرعی احکام زیر عمل تھے۔ تو علم و معرفت کی بھی گرم بازاری تھی۔ بکثرت عورتیں مختلف علوم و فنون میں ماہر پیدا ہوئیں جیسا کہ آگے چل کر ظاہر ہو گا۔ چنانچہ قرون وسطیٰ کے اسلامی معاشرے میں لڑکیوں کو گھر پر ہی تعلیم دی جاتی تھی۔ ابن سحنون کی تصنیف "آداب المعلین" کے دیباچہ میں ہے کہ: "اکثر و بیشتر باپ اپنی بیٹی کو پڑھایا کرتا تھا۔ جیسا کہ قاضی عیسیٰ بن مسکین

ظہر کے وقت تک اپنے شاگردوں کو درس دیا کرتا اور اس کے بعد اپنی بیٹیوں، بھتیجیوں، پوتیوں اور نواسیوں کو قرآن مجید اور دیگر علوم کی تعلیم دیا کرتا تھا۔[1] اس سے قبل فاتح صقلیہ اسد بن فرات اپنی بیٹی اسماء کو خود پڑھایا کرتا جو بڑی عالمہ و فاضلہ مشہور ہوئی۔ اسی طرح شہرہ آفاق شاعر الاعشیٰ اپنی بیٹی کو پڑھایا کرتا تھا وہ ایسی تربیت یافتہ اور ذوق سلیم کی مالک ہوئی کہ باپ اپنی تازہ نظموں پر اس کی تنقید و تبصرے پر اعتماد کیا کرتا تھا۔[2] بعض حالات میں امراء اور خاندان شاہی کی لڑکیوں کے لیے اتالیق مقرر کیے جاتے تھے۔[3] چنانچہ خشنی روایت کرتا ہے کہ امیر محمد بن اغلب کے محل میں ایک اتالیق تھا جو دن کو بچوں کو پڑھاتا تھا۔ اور رات بچیوں کو۔ المختصر گھر کی چار دیواری اور حرم کے اندر پردہ میں رہ کر بہت سی عورتوں نے اعلیٰ علمی قابلیت حاصل کی۔ گستاؤلیبان کا اعتراف ملاحظہ ہو: "فی الواقع مسلمان عورتیں بمقابل یورپ کی عورتوں کے جن میں اعلیٰ طبقات کی خواتین بھی شریک ہیں، بہت زیادہ تعلیم یافتہ ہیں موسیو دے ووڈرانی کہتا ہے: "حرموں میں تعلیم بہت عام ہے" پس ظاہر ہے۔ کہ مشرقی عورتوں کی طرز معیشت ہرگز ان کی تعلیم و تربیت کی مانع نہیں کیونکہ عربوں کے تمدنی عروج کے زمانے میں کثرت سے ایسی عورتیں موجود تھیں جو علم و فضل میں شہرۂ آفاق تھیں"۔[4] ذیل میں قرون وسطیٰ کے مختلف تعلیمی اور ثقافتی مظاہر میں مسلم خواتین کے نمایاں کارناموں کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔

بقول ڈاکٹر احمد شلبی: "خواتین کے دلپسند مضامین حدیث و فقہ تھے۔" حضرت علی کی اولاد میں نفیسہ ایسی مستند محدثہ تھیں کہ فسطاط میں امام شافعیؒ ان کے حلقہ درس میں شریک ہوا کرتے تھے، حالانکہ اس وقت انہیں بھی شہرت اور عروج حاصل تھا۔[5] علامہ کاسانی صاحب

---

[1] التعلیم عند القابسی

[2] الاغانی: ص ۱۰۶

[3] آداب المعلمین، ص ۲۳

[4] تمدن عرب: ص ۳۷۹

[5] تاریخ تعلیم و تربیت اسلامیہ: ص ۱۵۶

بدائع الصنائع کی بیوی اپنے دور میں ایسی فقیہ سمجھی گئی کہ ایک درجہ میں فتویٰ کا مدار ان پر ہو گیا تھا۔

امام طحاوی کی صاحبزادی وہ اعلیٰ تعلیم رکھتی تھی کہ امام ممدوح حدیث وفقہ کا املاء بھی ان کے قلم سے کراتے تھے۔ خود بولتے اور صاحبزادی قلمبند کرتی رہتی تھیں۔ اسی طرح سعید بن مسیب کی عالمہ صاحبزادی کے فضل وکمال کی تمام اسلامی قلمرو میں شہرت پھیل گئی[۱]۔ فاطمہ بنت الاقرع ایک مشہور زمانہ عالمہ وفاضلہ تھی۔ اور نہایت اعلیٰ درجہ کی خوش نویس۔ ایک ممتاز خاتون زینب بنت الشعری نے اپنے زمانے کے نامور علمائے دین سے تعلیم حاصل کر کے سندات حاصل کی تھیں۔ اس خاتون نے ابن خلکان کو بھی سند دی تھی۔ ام ابوالخیر الاقطع کی دادی عنیدہ کے حلقۂ درس میں قریباً پانچ صد طلبا شریک ہوا کرتے تھے۔ غرناطہ کے ابوحیان کے اساتذہ میں تین خواتین منیہ بنت الملک الکامل، شامیہ بنت الحافظ اور زینب بنت عبداللطیف البغدادی شامل ہیں۔ دو ممتاز خواتین عائشہ بنت محمد اور زینب بنت کمال الدین نے مشہور زمانہ سیاح ابن بطوطہ کو سندات عطا کی تھیں[۲]۔

ام الواحد بنت القاضی ابی عبداللہ الحسین بن اسماعیل المحاملی نہایت عالم وفاضل اور مذہب شافعی کے حفاظ میں سے تھی، فتاویٰ صادر کرتی اور احادیث روایت کیا کرتی تھی اسی طرح ام الفتح بنت قاضی ابی بکر احمد بن کامل بھی نہایت عاقلہ اور علم وفضل میں مشہور تھی جس سے بہت سے علماء نے استفادہ کیا[۳]۔ مکۃ المکرمہ میں کریمہ بنت احمد المروزی علم حدیث میں مشہور تھی۔ جن سے خطیب بغدادی نے صحیح بخاری کا درس لیا تھا۔ ابن عساکر کے اساتذہ میں اسی سے زائد خواتین شامل ہیں۔ بارھویں صدی کے شروع میں زینب ام المؤید علم فقہ میں استاد مانی جاتی تھی۔ ام سعد قرطبہ کی مشہور محدثہ تھی۔ ام ہانی فقہ وقانون کا درس دیا کرتی تھی قرطبہ میں ۸۰۰ ثانوی

---

[۱] قاری محمد طیب: شرعی پردہ: ص ۱۰۳

[۲] دیکھئے۔ تاریخ تعلیم وتربیت اسلامیہ: احمد شلبی: ص ۱۵۷

[۳] آدم متز: الحضارۃ الاسلامیہ: جلد ۲: ص

[۴] مفتی انتظام اللہ۔ سلاطین اندلس: ص ۱۷۸

مدارس تھے جن میں بچے اور بچیاں تعلیم پاتے ۔ جامع مسجد کو یونیورسٹی کی حیثیت حاصل تھی جہاں ایک طرف خواتین قرآن پاک کی کتابت میں مصروف رہتی تھیں ۔ حضرت فاطمہ نیشیا پوری ذوالنون مصریؒ کے شیوخ میں سے ہیں ان کی مجالس وعظ و درس میں ۷۰ لاکھ آدمیوں کا اجتماع ہوتا تھا ۔ رابعہ شامیہ علوم و معرفت میں مشاہدہ کے درجہ پہ پہنچ گئی تھیں ۔ امۃ الجلیل اولیاء کبار سے ہیں مشائخ وقت معرفت کے مسائل دقیقہ ان سے حل کرایا کرتے تھے ۔ حضرت رابعہ بصریہ علم و فضل اور تقوی و طہارت میں شہرۂ آفاق ہیں ۔ عفیرہ عابدہ شعوانہ آمنہ رملیہ وغیرہ ایسی عالم و فاضل اور پاک باز خواتین اسلامی معاشرہ کے قرون وسطیٰ کے جگمگاتے نشان ہیں[1]۔

شعر و ادب :۔ قرون وسطیٰ کے اسلامی معاشرے کی تاریخ پر نظر ڈالنے سے یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ اکثر خواتین نے شاعری ، فصاحت و بلاغت اور خطابت میں نام پیدا کیا کبھی خواتین نے تو اس میدان میں مردوں کو مات دیدی ۔ ذیل میں چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں ۔ عائشہ بنت طلحہ بہت بڑی عالمہ شعر و ادب میں درک رکھنے کے علاوہ بے شمار علماء و ادباء کی سرپرستی بھی کرتی تھیں ۔ سکینہ بنت حسین شعر و ادب اور تاریخ حماسہ کی بلند پایہ نقاد تھیں ۔ ان کے یہاں اپنے فن کی داد چاہنے والے شعراء و ادبا کا جمگھٹا رہتا ۔ فرزدق کی بیوی کو ادب میں اس قدر درک حاصل تھا کہ خود اس کا شوہر اور شاعری میں اس کا حریف جریر دونوں فیصلہ کے لیے اس کی طرف رجوع کیا کرتے تھے ۔ زینب بنت زیاد اور مجیدہ بنت زیاد اعلیٰ درجہ کی شاعرہ تھیں علم و فن کے ہر شعبہ میں انہیں کمال حاصل تھا ۔ صفیہ جو سویل (S ۔ ۔ ۔ ۔) کی رہنے والی تھی خطابت اور شاعری میں اعلیٰ صلاحیت کے علاوہ خوش نویسی میں بھی سب سے ممتاز تھی ۔ مریم بنت یعقوب انصاری نہایت ممتاز شاعرہ اور ادب کی استاد تھی اسکا حلقۂ درس عورتوں کے لیئے تھا ۔ جو اس کے علم سے استفادہ کرنے آیا کرتی تھیں[2]۔

ام بنین زوجۂ ولید بن عبد الملک اور عاتکہ بنت معاویہؓ بڑی عمدہ شاعرہ تھیں وضاح اور

---

[1] اس سلسلہ میں دیکھیئے ، سفینۃ الاولیاء : داراشکوہ : ص ۲۵ ۔ بعد

[2] احمد شلبی ۔ تاریخ تعلیم و تربیت اسلامیہ : ص ۱۵۸

ابو وحیل ایسے شعراء وادباء کی سرپرستی کرتی تھیں۔ شیخہ شہدہ ملقب بہ فخر النساء جامع مسجد بغداد میں ایک کثیر مجمع کے سامنے ادب، خطابت اور شاعری پر لیکچر دیا کرتی تھی۔ ابن سماک کوفی مشہور عالم کی کنیز ان کی تقریروں میں اصلاح دیا کرتی تھی۔ انہوں نے فن خطابت میں اپنی باندی ہی سے استفادہ کیا[۵۱]۔ بدانیہ نے اپنے استاد ابو المطرف عبدالرحمٰن سے پڑھا تھا لیکن وہ استاد سے سبقت لے گئی اس نے مبرد کی 'الکامل' اور القالی کی النوادر پر عبور حاصل کر لیا تھا۔ اور علم عروض میں مسلم استاد تھی۔ ابوالفرج کی دختر تقیہ ام علی، ایوبی دور کی نہایت قابل شاعرہ تھی[۵۲] رزم و بزم کے تمام موضوعات کو نظم کرنے پر یکساں قدرت رکھتی تھی۔ اندلس میں بھی بہت سی عورتیں علم و ادب میں نمایاں مقام رکھتی تھیں۔ شہزادہ احمد کی صاحبزادی عائشہ نظم میں صاحب کمال اور فصیح و بلیغ خطیبہ تھی۔ خاندان موحدین کی شہزادی ولیدہ شاعری اور علم بلاغت و بیان میں کاملہ تھی، ہمعصر شعراء اس کے مقابل آتے ہوئے جھجکتے تھے۔ متوسط طبقہ کی خواتین بھی علم و فضل میں کمال حاصل کرنے کے مواقع سے پوری طرح فائدہ اٹھاتیں دارالحمہ کے کتب فروش زیاد کی بیٹیاں زینب اور حمدہ علم و ادب میں اپنا جواب نہ رکھتی تھیں[۵۳]۔ ایک معمولی خاندان کی خاتون حفصہ الرکونیہ ساکن غرناطہ اپنی شرافت و قابلیت کے باعث مشہور تھی اس کی شاعری میں محبت کے جذبات بھرے ہوئے تھے۔ وہ خلیفہ کے محل میں خواتین کی استاد و اتالیق تھی۔ العارو ضیہ معانی و بیان کی فاضلہ تھی غرض کہ ایسی بیسیوں ذی علم اور نامور خواتین قرطبہ، غرناطہ، اشبیلیہ وغیرہ میں گزری ہیں، الحکم دوم کے زمانے سے متعلق مؤرخ لکھتے ہیں: اس زمانہ میں علم و شاعری کی قدر اندلس میں اس درجہ تھی۔ کہ عورتیں چار دیواری کے اندر محنت و مشقت کر کے علم حاصل کرتی تھیں اور اکثر ان میں سے شاعری اور علمی معلومات میں مشہور ہیں[۵۴]۔ جیسے خدیجہ، رضیہ، فاطمہ، لبانہ وغیرہ۔

---

۵۱ محمد طیب۔ شرعی پردہ: ص ۱۰۵

۵۲ خلافت کا عروج و زوال: ص ۳۹۳

۵۳ مفتی انتظام اللہ۔ خواتین اسلام: ص ۲۰۶ اور سلاطین اندلس ص ۱۷۸

۵۴ تمدن عرب: ص ۳۷۱

مواقع عمل: اسلامی معاشرہ کے قرون وسطی میں خواتین کو علم و فکر اور ادب و ثقافت کے ساتھ ساتھ عمل و ہنر کے بھی بے پناہ مواقع میسر آئے جیسا کہ مندرجہ ذیل مثالوں سے ظاہر ہے۔

طب و جراحت: عہد وسطی میں بہت سی ایسی خواتین کے حالات ملتے ہیں جنہوں نے طب و جراحت میں مہارت حاصل کر کے شہرت پائی۔ چنانچہ قبیلہ بنی اود میں زینب بہت مشہور طبیبہ اور ماہرہ امراض چشم تھی۔ ام الحسن بنت القاضی ابی جعفر الطبنجالی مختلف علوم و فنون میں کمال رکھتی تھی لیکن وہ بہ حیثیت طبیبہ مشہور تھی۔ حفیظ بن زہر کی بہن اور اس کی بیٹی جو المنصور بن ابی عامر کے زمانے میں مشہور تھیں، علم طب اور فن حکمت میں مشاہیر زمانہ سے ہوئی ہیں۔ بالخصوص امراض نسوانی کی ماہر تھیں۔ اور شاہی محل کی خواتین کے علاج معالجہ کے لیے انہی کو بلایا جاتا تھا۔[۵۱]

فن موسیقی: قرون وسطی کے مسلم حکمرانوں اموی، عباسی اور ہسپانوی، فاطمی وغیرہ نے کنیزوں کو موسیقی اور نغمہ کی تعلیم اور تربیت دینے پر خصوصی توجہ دی کیونکہ اس دور میں موسیقی اور نغمہ کا ذوق بہت عام ہو جانے کے باعث یہ فن بہت پھیل گیا تھا۔[۵۲] بقول ایچ جی فارمر: قرون وسطی کے ہر عرب گھرانے میں ایک مغنیہ کا ہونا ایسا ہی لازمی تھا جیسا آج کل ہر گھر میں پیانو چنانچہ اس دور میں بہت سی خواتین اور بالخصوص لونڈیوں نے اس فن میں مہارت حاصل کی۔ موسیقی کی ماہر خواتین میں سب سے نمایاں نام جمیلہ کا آتا ہے۔ اس سے معبد ابن عائشہ، حبابہ، سلامہ، عقیلہ خالدہ اور ربیحہ نے گانا سیکھا۔ موسیقی کے تمام مقابلوں میں جمیلہ ہی جج مقرر ہوا کرتی تھی۔ دنانیر جو خاندان برامکہ سے تھی، نہایت نامور مغنیہ تھی۔ اصفہانی کا بیان ہے کہ اس نے موسیقی پر ایک کتاب بھی لکھی تھی۔ علیہ بنت مہدی ایک مشاق شاعرہ، ایک ممتاز

---

۵۱ تاریخ تعلیم و تربیت اسلامیہ: ص ۱۶۱: نیز شرعی پردہ: ص ۱۰۵

۵۲ احمد امین: ضحی الاسلام: جلد ا، ص ۸۹

۵۳ تاریخ تعلیم و تربیت اسلامیہ: ص ۱۵۹

مغنیہ اور نامور موسیقارہ تھی۔ اس نے موسیقی کی تین سو ستر سریں ایجاد کر رکھی تھیں[۱] مقیم ہاشمیہ اپنے حسن و جمال، نغمہ سرائی اور ادبی واقفیت میں مشہور تھی۔ خدیجہ بنت مامون نہایت اعلیٰ درجہ کی شاعرہ اور مغنیہ تھی۔ عبیدہ سریلی آواز کی مالک اور طنبورہ بجانے کی ماہر تھی[۲]

دیگر سرگرمیاں: قرطبہ کی خاتون لبانہ کو علم ہندسہ میں بڑا کمال حاصل تھا الجبرا اور مساحت کے پیچیدہ سوالات وہ باتوں باتوں میں حل کر دیتی تھی۔ الحکم ثانی نے اسے اپنا معتمد ذاتی یعنی پرائیویٹ سیکریٹری مقرر کیا تھا۔ اور یہ عہدہ اس وقت تک کسی اور عورت کو نہ ملا تھا۔[۳] ایک اور لڑکی فاطمہ شاعری کے علاوہ انشاء پردازی میں بھی کمال رکھتی تھی۔ یہ لڑکی خلیفہ کے لئے کتابیں نقل کیا کرتی تھی۔ اس کے پاس علمی اور صنعتی کتابوں کا بیش بہا ذخیرہ تھا[۴] بعض خواتین نسوانی لباس کی آرائش و زیبائش اور فیشنوں کی ماہر تھیں۔ سکینہ بنت حسین بھی نئے نئے انداز کے لباس خواتین کے لئے نکالا کرتیں۔ اسی طرح اور بھی بہت سے کام خواتین انجام دیا کرتی تھیں۔

ملی خدمات کے مواقع: اسلامی معاشرہ کے قرون وسطیٰ میں عورتوں کو علمی اور فنی ترقی و تکمیل کے ساتھ ساتھ ملی اور دینی خدمات انجام دینے کے بھی بھرپور مواقع میسر تھے، ذیل میں اجمالی اشارات اور چند نمایاں مثالوں کے بیان پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔

اشاعت اسلام: عہد نبوت و خلافت کی طرح قرون وسطیٰ میں بھی عورتیں اسلام کی تبلیغ و دعوت میں مردوں کے ساتھ ساتھ حصہ لیتی رہیں اور اس نہایت اہم دینی فریضہ کی انجام دہی میں اپنا کردار پوری طرح ادا کرتی رہیں۔ چنانچہ کئی تاتاری شہزادوں نے اپنی مسلمان بیویوں کی ترغیب سے اسلام قبول کیا اور یہی صورت ان بت پرست ترکوں

۱۔ احمد امین۔ ضحی الاسلام: جلد ۱ ص ۸۹

۲۔ تاریخ مسلمانان عالم: ص ۳۲۲

۳۔ انتظام اللہ خواتین اسلام: ص ۲۰۵ تاریخ تعلیم و تربیت اسلامیہ ص ۱۶۲

۴۔ تمدن عرب: ص ۳۷۷

کے ساتھ بھی پیش آئی جو اسلامی ملکوں پر یورشیں کیا کرتے تھے۔ قازان کی تاتاری عورتیں بھی اسلام کی اشاعت میں سرگرمی کا ثبوت دیتی تھیں۔ سیدہ نفیسہ نے جب مصر میں سکونت اختیار کی تو ان کے ہمسائے میں ایک ذمی رہتا تھا جس کی بیٹی کو ایسی بیماری تھی کہ ہاتھ پاؤں بھی نہیں ہلا سکتی تھی۔ ایک دن اس کے ماں باپ بازار جانے لگے تو سیدہ نفیسہ سے درخواست کی کہ وہ ان کی بیٹی کی خبرگیری کریں آپ نے انتہائی رحم دلی اور خداترسی کا ثبوت دیتے ہوئے نہایت عاجزی سے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ اس لڑکی کو صحت یاب کر دے رب کریم نے ان کی دعا قبول فرمائی وہ لڑکی صحت یاب ہو گئی، اس کے ماں باپ یہ منظر دیکھ کر اپنی محسنہ کے دین، اسلام کے حلقہ بگوش بن گئے۔[۵۱]

جنگ و جہاد میں شرکت:

اسلام نے ہر دور میں بہت سی ایسی خواتین پیدا کی ہیں۔ جنہوں نے عسکریت میں نام پیدا کیا ہے۔ اسلامی معاشرہ کے دور اول میں عورتوں کی جہاد میں شرکت اور غازیوں کی خدمت کرنے کی مثالیں ہم اوپر بیان کر آئے ہیں۔ قرون وسطیٰ میں بھی بہت سی خواتین فوجی خدمات انجام دیتی نظر آتی ہیں۔ منصور کے عہد میں علی بن عبداللہ بن عباس کی صاحبزادیاں ام عیسیٰ اور لبابہ، لباس حرب میں ملبوس اسلامی افواج کے ساتھ بازنطینی علاقہ کی طرف مارچ کر رہی تھیں۔ ہارون کے دور میں بھی یہ شہزادیاں گھوڑوں کی رکھوالی اور فوجوں کو میدان جنگ میں بھیجتی تھیں۔

معتصم کے عہد میں رومیوں کی قید میں ایک مسلم خاتون کی پکار پر اس کی حفاظت کے لیے آگے بڑھنے کا واقعہ اوپر بیان ہوا جس سے عیاں ہے کہ رومیوں کے خلاف جنگ میں خواتین

۵۱۔ آرنلڈ: دعوت اسلام، اردو: ص ۳۸۸

بھی شریک تھیں۔[51]

* **کارِ حکومت اور نظمِ مملکت میں دخل:** اسلامی معاشرہ کے قرونِ وسطیٰ میں عورتوں کو بے پناہ حریت، سیاسی خدمات اور شاہی خاندان کی عورتوں کو کارِ حکومت میں شرکت کے بے پناہ مواقع حاصل تھے۔ اموی دور میں ام البنین کا اپنے خاوند ولید اوّل پر بہت زیادہ اثر تھا ایک مرتبہ اس نے حجاج بن یوسف کو اس کے مظالم پر سخت سرزنش کی اور بعدازاں ملازمین کے ذریعہ دھکے مرواکر اسے باہر نکال دیا۔[52]

عباسی دور میں خلیفہ مہدی کی بیوی خیزران ریاست کے انتظامی امور پر مکمل چھائی ہوئی تھی۔ اس کی فرمائش پر مہدی نے تخت نشیں ہوتے ہی امویوں اور علویوں پر سے منصور کی عائد کردہ تمام پابندیاں ہٹا دیں۔ قیدیوں کو رہا کر دیا اور امویوں کی جائدادیں انہیں لوٹا دیں۔ اس کے کہنے پر مہدی نے مدینہ کے پانچ سو انصار کو اپنا باڈی گارڈ مقرر کیا اور ان کو گزارہ کے لیئے زمینیں عطا کیں۔ بعدازاں خلیفہ ہارون الرشید بھی سلطنت کے امور میں خیزران کے مشوروں پر چلتا رہا۔ برمکیوں کا اقتدار اس کا مرہونِ منت تھا۔ ہارون کی بیوی زبیدہ نے اپنے زمانے کی تاریخ میں نمایاں کردار ادا کیا۔ ہارون پر اس کا کافی اثر تھا۔ اس کے کہنے پر ہارون نے امین کو اپنا جانشین نامزد کیا۔ مامون کی بیوی بوران بھی امورِ مملکت میں کافی دخل رکھتی تھی متوکل کی بیوی اور معتز کی ماں قبیحہ نے خلیفہ مستعین کی معزولی میں بنیادی کردار ادا کیا خلیفہ مقتدر کی ماں "السیدۃ" کے امورِ مملکت میں گہرے نفوذ و تاثیر کی سب سے بڑی دلیل ولایۃ المظالم کی سربراہی اور وزیر مصلح علی بن عیسیٰ کا وہ مکتوب ہے جو اس نے ام مقتدر کی طرف لکھا تاکہ سلطنت کے مالی امور کی جو ذمہ داری اس نے وزیر مذکور کو سونپی تھی اس کے بارے میں مزید ہدایات دے۔ وزیر حامد بن عباس کے عہد میں خلیفہ کے حرم کا امورِ مملکت میں اثر و نفوذ بہت زیادہ بڑھ گیا تھا حتیٰ کہ

---

[51] حسن ابراہیم: تاریخ الاسلام السیاسی: جلد ۲ ص ۴۳۱

[52] تاریخ مسلمانانِ عالم ص ۱۹۹

خواتین ہی درخواستیں وصول کرتیں اور فیصلے صادر کرتیں[۵۱]۔ سلجوقی عہد میں بہت سی خواتین خلفاء اور سلاطین پر گہرا اثر رکھتی تھیں۔ سلطان ملک شاہ کی بیوی ترکان خاتون کو اس قدر قوی اثر حاصل تھا۔ کہ اس نے خلیفہ القائم کو اپنے بیٹے محمود کو امور سلطنت سونپنے پر مجبور کر دیا۔ اندلسی سلاطین کے عہد میں بھی عورت بہت زیادہ سیاسی آزادی اور اثر و نفوذ کی حامل تھی۔ خلفاء امراء اور اعیان سلطنت کی لونڈیاں بھی امور سلطنت میں دخل دیتی تھیں خلیفہ عبدالرحمٰن الاوسط کی لونڈی طروب کا نفوذ محتاج بیان نہیں کہ وہ امور مملکت کا فیصلہ کرنے میں بلا کی سے دخل دیتی تھی۔ اسی طرح حکم ثانی کی بیوی اور مؤید کی ماں 'صبح' نے اپنے بیٹے کی صغر سنی میں جانشینی کے باعث تمام امور سلطنت کو اپنے ہاتھ میں لے لیا اور منصور بن ابی عامر کو اپنا معاون بنا لیا[۵۲]

خلافت فاطمی میں بھی عورتوں کے اثر و نفوذ کی بیسیوں مثالیں موجود ہیں، یہ خواتین اپنے اثر و رسوخ سے بے پناہ مال و دولت جمع کر لیتی تھیں۔ جیسا کہ رشیدہ بنت المعز اور اس کی بہن عبدۃ کے پاس سونے چاندی کے ذخائر تھے۔ فاطمی خلیفہ عزیز نے ایک رومی نصرانی خاتون سے شادی کی جس سے خلیفہ حاکم اور ست الملوک پیدا ہوئے۔ اس نصرانی خاتون کا اپنے خاوند پر کافی اثر تھا۔ جس سے کام لیتے ہوئے۔ اس نے اپنے دو بھائیوں کو اسکندریہ اور بیت المقدس میں سرکاری بشپ مقرر کروا لیا۔ اس کی بیٹی ست الملوک کو بھی بے پناہ سیاسی اثر و رسوخ حاصل تھا۔ جس سے وہ بھرپور فائدہ اٹھایا کرتی[۵۳]

اسی طرح خلیفہ الظاہر کی بیوی اور المستنصر کی ماں جو سوڈانی تھی اپنے ہم وطن سوڈانی فوجیوں سے بے پناہ شفقت و رعایت کا سلوک کرتی خلیفہ آمر کی بیوی الطائیۃ بھی خلافت فاطمی کی با اثر خواتین میں سے تھی۔

سلطنت ایوبیہ میں ملک صالح ایوب کی بیوی شجرۃ الدر نے تو ایک عرصہ تک مصر کی

---

[۵۱] حسن ابراہیم: تاریخ الاسلام السیاسی: جلد ۳: ص ۵۰۱: ص ۵۰۲

[۵۲] ایضاً : جلد ۳ ص ۵۰۴

[۵۳] ایضاً : ص ۵۰۲

حکومت اپنے ہاتھ میں لئے رکھی اور معاملات سلطنت کی انجام دہی میں اپنا بھرپور کردار ادا کرتی رہی۔ اسی طرح مغرب میں زینب النفزاویۃ جو بلاد مغرب کے امیر ابو بکر بن عمر کی بیوی تھی، انتظامی امور میں دخل دیا کرتی تھی۔ سلطان علی بن یوسف بن علی بن تاشفین کے عہد میں امور سلطنت میں خواتین کا اثر و نفوذ حد سے زیادہ بڑھ گیا تھا[۱] المراکشی کہتے ہیں۔ واستولی النساء علی الاموال واسند تالیھن الامور، وصارت کل امرأۃ من اکابر لمتونۃ ومسوفۃ مشملۃ علی کل مفسدۃ شریر وقاطع سبیل وصاحب خمر و ماخوذ، وامیر المسلمین فی ذلک کلہ یتزید تغافلہ[۲] یعنی اس عہد میں خواتین اموال اور امور سلطنت پر چھا گئی تھیں۔ اور بہت سی خواتین فاسد سرگرمیوں سے حکومت کو نقصان پہنچانے لگیں اور سلطان کی غفلت بڑھتی گئی۔

تعلیمی، اصلاحی اور رفاہی خدمات: قرون وسطیٰ کی مسلم خواتین کو تعلیمی، اصلاحی اور رفاہی خدمات انجام دینے کے بے پناہ مواقع میسر آئے۔ چنانچہ بہت سی خواتین نے ایسی درس گاہیں قائم کیں جن سے نہ صرف عورتیں بلکہ مرد بھی فیضیاب ہوتے تھے۔ جامع زیتونیہ تونس کی قدیم مسجد اور اسلامی درسگاہ ہے۔ جسے بنو حفص کے حکمران مستنصر کی بیوی عطف نے ۱۲۸۳ء میں قیروان (موجودہ تونس) میں تعمیر کیا تھا۔ بڑے بڑے علماء یہاں سے اُٹھے، ابن خلدون نے ابتدائی تعلیم اس درسگاہ میں حاصل کی تھی۔ جامع قرویین مراکش کے شہر فاس میں واقع ہے۔ اسے بھی ایک مسلمان خاتون نے نویں صدی میں بنوایا تھا۔ علاوہ ازیں مصر میں مدرسہ العاشوریۃ عاشورۃ بنت سارہ زوجۂ امیر نے اور مدرسہ القطبیہ شہزادی عصمت الدین بنت العادل نے قائم کیا۔ دمشق میں بہت سے مدارس خواتین کے قائم کردہ ملتے ہیں جن میں مدرسہ الصاحبیہ شہزادی رابعہ بنت نجم الدین، مدرسہ العذراویۃ شہزادی عذرا بنت نور الدولہ، مدرسۃ الشامیۃ البرانیۃ اور الجوانیۃ شہزادی صلت الشام بنت نجم الدین، مدرسۃ المارد انیۃ قائم کردہ خاتون عزیزہ زوجۂ المعظم اور مدرسۃ الاتابکیۃ خاتون بنت عزالدین زوجہ

---

[۱] حسن ابراہیم: تاریخ الاسلام السیاسی: جلد ۴ ص ۶۳۲۔

[۲] المراکشی: المعجب ص ۱۷۷

الاشرف الیغمی اور ایک عام خاتون زوجۂ شجاع الدین الدمائغ کا قائم کردہ مدرسہ الدماغیۃ مشہور ہیں۔ علاوہ ازیں بہت سی عالمہ و فاضلہ خواتین کی تدریسی خدمات کی طرف ہم اوپر تعلیمی مواقع کے بیان میں اشارہ کر آئے ہیں قرون وسطیٰ میں خواتین کی اصلاحی و رفاہی خدمات کے سلسلہ میں خیزران زوجہ مہدی کی خدمات کا ذکر ہو چکا۔ ہارون کی بیوی زبیدہ نے حج کے موقع پر اہل مکۃ المکرمہ کی تکالیف کو دیکھتے ہوئے اپنے صرف خاص سے ایک نہر کھدوائی جو آج بھی موجود ہے۔ اور اس کی خدا ترسی اور خدمت خلق کی درخشندہ یادگار ہے نہر زبیدہ کی تعمیر پر ساڑھے دس لاکھ سے زائد اخراجات اُٹھے جو سب کے سب ملکہ نے اپنے ذاتی خزانہ سے ادا کیے۔ مامون کی بیوی بوران کے زیر اہتمام کئی مدارس اور شفاخانے چلتے تھے خلیفہ مقتدر عباسی کی ماں سب سے بڑی عدالت ولایۃ المظالم کی سربراہ تھی۔ وہ خود لوگوں کی اپیلیں سنتی اور ان کی شکایات کا ازالہ کرتی فاطمی خلیفہ المعز کی بیوی تغرید نے قرافہ میں ایک عظیم الشان مسجد تعمیر کروائی جس کی تعمیر اور آرائش و زیبائش پر بے پناہ مال خرچ کیا[۵۷]۔ الغرض اسلامی معاشرہ کے دور اوّل کی طرح قرون وسطیٰ میں بھی عورتوں کو تعلیم، عمل سیاست و امور مملکت اور دینی و ملی خدمات کے بے شمار مواقع میسر تھے۔ جو حیثیت نسواں کی عظمت و رفعت کے عکاس ہیں۔

اسلامی معاشرہ کے عہود اخیرہ میں حیثیت نسواں:

اسلامی معاشرہ کے عہود اخیرہ سے ہماری مراد تیرہویں صدی عیسوی سے انیسویں صدی عیسوی تک کے ادوار ہیں۔ ان ادوار میں قائم ہوتے اور عروج پذیر ہوتے والی اسلامی سلطنتوں میں عثمانی خلافت، دہلی کی سلطنت سلاطین اور مغلیہ حکومت نمایاں ہیں سطور ذیل میں ان اسلامی ادوار میں حیثیت نسواں کا طے شدہ مفہوم کے چار پہلوؤں سے جائزہ لیا جائے گا۔ اور جیسا کہ عمومی ملاحظات میں یہ واضح کیا جا چکا ہے اس

۵۶ دیکھیے: تاریخ تعلیم و تربیت اسلامیہ: ص ۵۷: ص ۵۸

۵۷ حسن ابراہیم: تاریخ الاسلام السیاسی: جلد ۳ ص ۵۰۲

سارے جائزہ میں ہمارے پیش نظر ہر دور کی مجموعی اور عمومی صورت حال ہے۔ استثنائی احوال اور انفرادی انحرافات کو درخور اعتنا نہیں سمجھنا چاہیے۔

ا۔ عہود اخیرہ میں حقوق نسواں کی پاسداری:

اس طے شدہ عمومی حقیقت کی رو سے کہ اسلامی معاشرہ ہر دور میں بہ حیثیت مجموعی احکام شرعیہ پر عمل پیرا اور عہد رسالت وخلافت راشدہ کے آثار کا پابند رہا ہے۔ یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ عہود اخیرہ کے ہر علاقہ اور ہر سلطنت میں عورتوں کو حیات عائلی میں اور اجتماعی سطح پر وہ تمام حقوق حاصل رہے ہیں جو اسلام نے نظری طور سے انہیں عطا کیے ہیں اور جو بالتفصیل پیچھے بیان کیے جا چکے ہیں۔

قرون وسطیٰ کی طرح عہود اخیرہ میں بھی پردہ اور حرم سسٹم کا وجود ترقی پسند مصنفین کے نزدیک معاشرتی زوال وانحطاط اور ریاستی تخریب وتذلیل کا سبب رہا ہے۔ جیساکہ مظہر الحق خان نے پردہ اور تعدد ازدواج میں ثابت کرنے کی پوری کوشش کی ہے[۵۱] لیکن پردہ، حرم سسٹم اور تعدد ازدواج کی معاشرتی خوبیاں اور خوشگوار اثرات کے بارے میں گستاڈ لیبان اور اس کے حوالہ سے بہت سے حقیقت پسند مستشرقین کے اعترافات کے بعد اس ادارہ کی افادیت بے غبار ہوگئی ہے اقبال کا یہ قول بھی کسی حد تک برصغیر میں پردہ کی ضرورت کو اجاگر کرتا ہے۔ کہ: ہندوستان میں پردے پر سخت زور دیا جانا اخلاقی وجوہ پر مبنی تھا۔ اور چونکہ اقوام ہندوستان نے اخلاقی لحاظ سے کچھ بہت ترقی نہیں کی اس واسطے اس دستور کو موقوف کر دینا میری رائے میں قوم کے لیے نہایت مضر ہوگا ہاں اگر قوم کی اخلاقی حالت ایسی ہو جائے جیسی کہ ابتدائی زمانہ اسلام میں تھی تو اس کے زور کو کم کیا جا سکتا ہے[۵۲] اقبال نے پردہ کو قوم کی اخلاقی حالت کے ساتھ وابستہ کرکے اسی بنیادی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے جس کی وضاحت ہم اوپر عمومی ملاحظات اور دور اول میں حیثیت نسواں کے بیان میں کر آئے ہیں۔ اس سلسلہ میں مزید تفصیلات کی یہاں گنجائش نہیں۔ البتہ اس گمان فاسد کا ازالہ ضروری

---

۵۱ دیکھیے: پردہ اور تعدد ازدواج، ص ۱۸۱ ببعد

۵۲ مقالات اقبال ص ۵۷

ہے۔ کہ عہد اخیرہ کے اسلامی معاشرہ میں پردہ اور حرم سسٹم کی وجہ سے عورتوں کا احترام ختم اور ذلت و رسوائی اور غلامی انکا مقدر بن گیا تھا۔ جیساکہ اسلامی معاشرہ کے دور اول اور قرون وسطیٰ میں باپردہ خواتین کے تقدس، تکریم اور تحفظ کے نمایاں مظاہر اوپر بیان ہوئے۔ اسی طرح اسلامی معاشرہ کے عہد اخیرہ میں بھی عائلی اور اجتماعی سطح پر ہر اعتبار سے عورتوں کی تکریم، تقدس اور تحفظ کے مظاہر موجود ہیں جیساکہ صنفی رعایات کے ضمن میں بیان ہوگا۔ عثمانی خلفاء، سلاطین دہلی اور مغل حکمرانوں کے محلات اور حرموں کے اندر عام طور سے ملکہ کا اثر، ماں کا احترام اور بیٹیوں پر شفقت و رعایت بے پناہ ہوتی۔ عثمانی سلاطین ہر معاملہ میں خواتین حرم کی رائے اور مشورہ لیا کرتے۔ سلاطین دہلی عورتوں کا نہایت احترام کرتے۔ ابن بطوطہ کے بقول: سلطان تغلق اپنی ماں کے احترام اور اطاعت میں کوئی کمی نہ کرتا[1]

محل کے اندر اسلامی قانون کے مطابق بیوہ عورتیں عقد ثانی کر سکتی تھیں جیساکہ علاؤالدین خلجی کی بیوہ اور شہاب الدین عمر خلجی کی ماں نے کیا تھا۔ تمام مغل بادشاہ بھی اپنی ماؤں کے ساتھ انتہائی محبت و احترام کے ساتھ پیش آتے۔ بابر اپنے خاندان کی بیگمات کا بھی بڑا احترام کرتا اور اپنی رشتہ دار خواتین کی عزت و احترام میں بھی بڑا اہتمام کرتا، ان کی قیام گاہوں کے لیے پر تکلف سامان بہم پہنچاتا، ان کو وظائف دیتا، ضرورت کے وقت ان سے مشوروں کا طالب ہوتا اور مشکلات میں ان کی ہمدردی اور دلجوئی سے سکون حاصل کرتا[2]

یہی روش دیگر مغل فرمانرواؤں، ان کے امراء اور عام رعایا کی بھی تھی۔ گستاؤلیبان کہتا ہے:

سلاطین مغلیہ کے دربار میں عورتوں کا بڑا درجہ تھا[3]

اجتماعی سطح پر اسلام نے جو مساواتی مزاج مسلمانوں میں پیدا کیا تھا وہ، جیساکہ بارہا بیان ہوا ہمیشہ اور ہر دور میں بہ حیثیت مجموعی قائم و غالب رہا۔ بقول لیبان! یہ مساوات مسلمانوں میں نہایت

---

[1] سفرنامہ ابن بطوطہ: ص۔ ۲۴۰

[2] ہندوستانی کے مسلمان حکمرانوں کے تمدنی جلوے: ص ۶۰ / ص ۶۱

[3] تمدن ہند: ص ۳۲۰

ہی عملی طور سے مستحکم اور مشرقی طرز معاشرت کا جزو ہو گئی ہے[1] بنا بریں اسلامی معاشرہ کے عہود اخیرہ میں چونکہ ہر مسلمان اسلامی شریعت کی پیروی اور معاشرتی روایات کی پابندی کرتا تھا اس لیے ہر طرف اخوت و مساوات کا دور دورہ تھا نتیجۃً اسلامی سماج میں خواتین کو بڑا بلند مرتبہ حاصل تھا وہ قومی اور اجتماعی زندگی میں مردوں کے برابر اور اہم مرتبہ سمجھی جاتیں ان کی ضروریات کا خیال کیا جاتا اور عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا کسی بے بس اور بے یار و مددگار عورت کی حمایت و مدد ملی فریضہ اور اس پر زیادتی کرنے کو گناہ عظیم خیال کیا جاتا تھا[2] اور یوں ان کے مصالح وحقوق کی پاسداری کی جاتی تھی۔

۲۔ استقلال شخصیت: یہ ایک ناقابل تردید تاریخی حقیقت ہے کہ اسلام نے جو اہلیت (دینی اجتماعی، اقتصادی) اور حریت (ہمہ جہتی) عورتوں کو بخشی ہے اور جس پر ان کی مسؤلیت و ذمہ داری کا مدار ہے اسلامی معاشرہ کے ہر دور میں عورتیں اس سے پوری طرح بہرہ ور رہی ہیں جیسا کہ فقہی احکام، نظام قضاء اور عملی وقائع سے عیاں ہے۔ اسلامی سماج کے عہود اخیرہ میں استقلال شخصیت کے عملی مظاہر حقوق نسواں، خصوصی صنفی رعایات اور مساوی مواقع عمل و تکمیل کے ذیل میں بیان ہو رہے ہیں اس لیے جداگانہ طور سے ان کے یہاں بیان کی ضرورت نہیں۔

۳۔ صنفی رعایات: جیسا کہ اوپر اشارہ ہوا، اسلامی معاشرہ کے عہود اخیرہ میں ہر جگہ اور ہر خلافہ میں عورتوں کو خصوصی صنفی رعایت وعنایت، اور تقدس و احترام میسر رہا۔ عثمانی خلافت کے علاقوں میں عورتوں کی عزت و وقعت، شان و شوکت اور تقدس و احترام کے نظارے بیان کرتے ہوئے، شہرۂ آفاق سیاح ابن بطوطہ لکھتا ہے:

ترک باشندے عورتوں کی بے انتہا تعظیم کرتے ہیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ یہاں کی عورتیں مردوں سے زیادہ شان والی ہیں۔ سفر میں عورتوں کے ساتھ ان کے شوہر بھی ہوتے ہیں لیکن دیکھنے والے کو یہ گمان ہوتا ہے کہ یہ کوئی خادم ہے[3] سلاطین دہلی کے عہد میں احترام نسواں کے مظاہر اوپر بیان

---

[1] تمدن عرب: ص ۳۰۶

[2] اے ایچ حسنی۔ تاریخ سلطنت مغلیہ: ص ۴۵۲

[3] سفرنامہ ابن بطوطہ: اردو، جلد ا، ص ۳۴۸، ۳۴۹۔

ہوئے، عہد مغلیہ میں عورتوں کی عزت و تکریم کے بارے میں الیگزنڈر رڈ ڈ کہتا ہے۔ ہند میں عورتوں کا اتنا احترام کیا جاتا ہے کہ عام سپاہی بھی قتل و غارت کے ہنگامے میں انہیں کوئی آزار نہیں پہنچاتے۔[1] عورتوں کی حفاظت و پاسبانی کے بارے میں یہی ایک واقعہ کافی ہے کہ مغل شہنشاہ ہمایوں جب اپنے افغان دشمنوں سے جان بچا کر کسی مأمن کی تلاش میں کابل کی طرف کوچ کر رہا تھا تو اسے ایک غیر مذہب کی رانی کا بھیجا ہوا کنگن استمداد کی نشانی کے طور پر پیش کیا گیا، ہمایوں اپنی مصیبت اور ضرورت کو بھول کر فوراً رانی جودھپور کی مدد کو پہنچا، اس کے دشمنوں کو شکست دی اور از سرنو اپنے سفر غریب الوطنی پر روانہ ہو گیا۔[2]

۴۔ مساوی مواقع عمل و تکمیل: اسلامی معاشرہ کے دور اوّل اور قرون وسطیٰ کی طرح عہود اخیرہ میں بھی عورتوں کو علمی، عملی اور خدمات ملی کے بھرپور مواقع میسر آئے جن سے انہوں نے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ ذیل میں اس کی ایک ہلکی سی جھلک پیش کی جاتی ہے۔

مواقع علم و ادب: عہود اخیرہ میں خواتین کو تعلیمی اور ثقافتی ترقی کے بے پناہ مواقع ارزاں تھے مسلمان بچیاں عموماً ابتدائی مکاتب میں قرآن پاک اور معمولی عربی یا فارسی کی تعلیم حاصل کرتی تھیں۔ امراء اور شہنشاہ اپنی بیٹیوں کی تعلیم و تربیت کے لیے خصوصی انتظامات کرتے تھے وہ بچیوں کو گھر پر پڑھانے کیلئے اساتذہ مقرر کرتے اور ان کے اخراجات برداشت کرتے تاہم ہر علاقہ میں اسکولوں میں مشترکہ تعلیم کے علاوہ لڑکیوں کے جداگانہ مدارس کا وجود بھی ملتا ہے۔ چنانچہ عثمانی خلافت میں صرف قسطنطنیہ میں تقریباً چار سو ابتدائی مدارس تھے جن میں پچیس ہزار کے قریب لڑکے اور لڑکیاں تعلیم پاتی تھیں[3] عہد سلاطین

---

[1] سلطنت مغلیہ: ص ۳۷۷

[2] روح اسلام: ص ۳۹۹

[3] تاریخ مسلمانان عالم: ص ۵۷۳

دھلی میں بعض مقامات پر لڑکیوں کے جداگانہ مکاتیب کا بھی پتہ چلتا ہے۔ ابن بطوطہ علاقہ ممبئی کے شہر ہنور کے بارے میں کہتا ہے۔ اس شہر کی عورتوں کی خصوصیت یہ ہے کہ سب کی سب حافظ قرآن ہوتی ہیں۔ اس شہر میں ۱۳ مکتب لڑکیوں کی تعلیم کیلئے اور ۲۳ لڑکوں کے لیے ہیں۔ ایسی بات میں نے کسی اور شہر میں نہیں دیکھی لے۔ شاہی محلات اور حرم سراؤں میں خواتین کی تعلیم کا خاص انتظام کیا جاتا تھا۔ سلطان غیاث الدین خلجی کے محل میں دس ہزار باندیاں تھیں ان سب کے لیے ایک نظام عمل کے تحت تعلیم و تربیت کا اہتمام کیا گیا تھا۔ زنانہ نظام میں وزیر، خزانہ دار، وکیل، ندیم کے ساتھ محتسب، مفتی، مؤذن اور حافظ قرآن کے عہدے بھی قائم تھے اور لڑکیاں اپنی استعداد کے مطابق ان منصبوں پر مقرر کی جاتی تھیں (۲) سلطنت مغلیہ کا بانی بابر علم و ادب کا دلدادہ تھا اس نے اپنی بیٹی گلبدن بیگم کو اعلیٰ تعلیم دلوائی یہ خاتون بڑی علم پرور اور علم شناس خاتون تھی۔ اس کی تصنیف ہمایوں نامہ ادبی اور تاریخی نقطۂ نظر سے بے نظیر کتاب ہے۔ ہمایوں کو بھی تعلیم نسواں سے گہری دلچسپی تھی اس نے اپنی بھتیجی سلطانہ سلیمہ بیگم کو بھی اعلیٰ تعلیم دلوائی تھی۔ یہ خاتون فارسی زبان کی بلند پایہ شاعرہ تھی اس کا دیوان آج بھی پسند کیا جاتا ہے۔ نور جہاں جو خود بھی تعلیم یافتہ تھی، علم و ادب اور ثقافت کی ترقی کیلئے بڑی کوشش کی۔ شاہ جہاں کی شہزادیوں جہاں آراء اور روشن آراء نے اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ حافظہ مریم اورنگ زیب کے عہد کی ایک بڑی عالمہ تھی۔ اورنگ زیب کو تعلیم و تربیت نسواں سے خصوصی دلچسپی تھی اس کی صاحبزادی زیب النساء اپنے دور کی عالم و فاضل خاتون تھی اور فارسی زبان کی بلند پایہ شاعرہ بھی تھی یہ تعلیم و تربیت صرف حرم سراؤں تک محدود نہ تھی بلکہ، جیسا کہ اوپر اشارہ ہوا، عوام میں بھی تعلیم نسواں عام تھی بلکہ کئی علاقوں میں تو خواتین کو دینی احکام اور تعلیمات کا علم حاصل کرنے کے لیے مساجد میں اور دیگر مجالس وعظ میں شرکت کے مواقع میسر ہونے کا ثبوت بھی ملتا ہے۔ ابن بطوطہ شیراز کی دیندار پاکباز اور باحیا خواتین کے بارے میں کہتا ہے: باشندگان شیراز اہل صلاح و دین و عفاف

لے سفرنامہ ابن بطوطہ: اردو جلد ۲ ص ۸۴)

۲ے تاریخ فرشتہ: جلد ا ص ۲۵۵

ہیں اور خاص کر عورتیں تو ان صفات سے بہت زیادہ متصف ہیں ان کا دستور یہ ہے کہ سب موزے پہن کر اور اس طرح اوڑھ لپیٹ کر اور برقعہ پہن کر باہر نکلتی ہیں کہ کوئی حصہ جسم کا نہیں دکھائی دیتا۔ صدقہ اور ایثار کرنے میں بھی بہت بڑھی چڑھی ہیں۔ ان کی ایک عجیب بات یہ ہے کہ سب جامع میں دوشنبہ پنج شنبہ اور جمعہ کو وعظ سننے کے لیے جمع ہوتی ہیں اکثر ان کا ہزار، ہزار، دو، دو ہزار کا اجتماع ہوتا ہے میں نے اس قدر عورتوں کا کسی شہر میں مجمع نہیں دیکھا[۵۱] حقیقت یہ ہے کہ دینی تعلیمات کے حصول کی خاطر وعظ سننے کی یہ سہولت صرف شیراز تک محدود نہیں تھی بلکہ ہر علاقہ میں موجود تھی البتہ ابن بطوطہ شیراز میں خواتین کے بہت زیادہ مجمع کو حیرت سے بیان کر رہا ہے۔ اور اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اسلامی معاشرہ کے عہود اخیرہ میں بھی عورتوں کو حصول علم کے کس قدر متنوع مواقع حاصل تھے۔

مواقع عمل: ادوار ما قبل کی طرح اسلامی سماج کے عہود اخیرہ میں بھی عورتوں کو مختلف فنون واعمال میں مہارت حاصل کرنے اور قومی سرگرمیوں میں حصہ لینے کے مواقع حاصل رہے چنانچہ خلجی دور میں نہ صرف تعلیم نسواں کا انتظام تھا بلکہ خواتین کو مختلف فنون اور حرفوں کی تربیت بھی دی جاتی تھی[۵۲] یمن کے ایک شہر زبید کے بارے میں ابن بطوطہ لکھتا ہے۔ یہاں کے باشندے پاکیزہ خصائل، با اخلاق اور خوبصورت ہیں۔ ہر ہفتے کھجوروں کے باغات میں میلہ لگتا ہے باشندگان شہر میں سے کوئی ایسا فرد نہیں رہتا جو وہاں نہ جاتا ہو عورتیں بھی اونٹوں پر محملوں میں نکلتی ہیں ان عورتوں میں باوجود حسن وجمال کے حد درجہ حسن اخلاق اور کرم ہوتا ہے پردیسیوں کے ساتھ شادی پر بھی رضامند ہو جاتی ہیں۔ شوہر سفر پر جائے تو اس کی اولاد کی ساری ضروریات باپ کی واپسی تک[۵۳] خود ہی پوری کرتی رہتی ہیں۔ شوہر کی غیبت کے زمانہ کا کوئی نان نفقہ اور کپڑے وغیرہ کا سوال نہیں کرتی اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ ان خواتین کو مختلف کام کر کے اپنی اور بچوں کی روزی کمانے کے بھرپور مواقع میسر تھے۔ مغلیہ عہد میں کنیزوں کی موسیقی و رقص میں مہارت کے بہت سے مناظر ملتے ہیں۔ نور جہاں

---

[۵۱] سفر نامۂ ابن بطوطہ: جلد ا ص ۲۲۳

[۵۲] تاریخ تعلیم وتربیت اسلامیہ: مقدمہ: ص: ح

[۵۳] سفر نامۂ ابن بطوطہ ج ا ص ۲۶۵

خوشبویات کی اس قدر ماہر تھی۔ کہ خود اس نے ایک مخصوص قسم کا عطر ایجاد کر لیا تھا۔ اسی طرح کی اور بہت سی مثالوں سے، جن میں سے بعض آگے بیان ہوں گی، یہ عیاں ہوتا ہے کہ اسلامی معاشرہ کے عہد ذاخیرہ میں عورتوں کو مختلف اعمال و اشغال میں مصروف رہنے اور فنی مہارتیں حاصل کرنے کی پوری پوری سہولتیں حاصل تھیں۔

مواقع خدمات ملیہ :۔ عورتیں ہر دور کی طرح مسلم معاشرہ کے ادوار اخیرہ میں بھی مختلف دینی، اور ملی خدمات انجام دیتی رہی ہیں جیسا کہ ذیل کی چند مثالوں سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے۔

اشاعتِ اسلام : پروفیسر ٹی۔ ڈبلیو۔ آرنلڈ نے "دعوت اسلام" میں متعدد ایسی کوششوں کا ذکر کیا ہے۔ جو اشاعت اسلام کے سلسلہ میں عہد ذاخیرہ میں خواتین نے انجام دیں۔ چنانچہ وہ کہتا ہے "سنوسی سلسلہ کے مبلغوں نے جو جھیل چاڈ کے شمالی اطراف میں تو بو قوم میں تبلیغ کرنے کے لیے آئے تھے، لڑکیوں کے لیے مدرسے جاری کیئے اور عورتوں کو ان قبیلوں میں بربروں کی طرح جو زبردست اثر و رسوخ حاصل ہے اس سے اسلام کی اشاعت میں فائدہ اٹھایا گیا جرمن مشرقی افریقہ کے بت پرست باشندے جب ریلوے یا باغات میں مزدوری کرنے کے لیے چھ، سات ماہ کے لیے اپنے گھروں سے نکلتے ہیں اور مسلمان عورتوں کے ساتھ عارضی تعلق قائم کر لیتے ہیں تو وہ بھی ان کے اثر سے مسلمان ہو جاتے ہیں کیونکہ یہ مسلمان عورتیں کسی غیر مختون کافر کو منہ نہیں لگاتیں۔

انیسویں صدی کے نصف اول میں حبشہ کے ملک میں اسلام نے جو ترقی کی ہے، وہ بھی بہت حد تک مسلمان عورتوں کی کوششوں کی رہین منت ہے۔ عیسائی سرداروں کی بیویوں نے خاص طور پر اس بارے میں سعی کی ہے۔ حبشہ کی مغربی سرحد پر ایک بت پرست قبیلہ ہے۔ جس کو بورن کہتے ہیں۔ اس کے بعض آدمی حکومت سوڈان کی نیگرو رجمنٹ میں بھرتی ہو گئے تھے۔ چنانچہ جب یہ رجمنٹ تمر طوم کو واپس ہوئی تو اس کے سیاہ فام سپاہی اپنی بیویوں کی ترغیب سے مسلمان ہو گئے۔[1]

---

[1] دعوت اسلام : اردو : ص ۳۸۸

امور مملکت میں شرکت کے مواقع :

عثمانی سلاطین امور سلطنت میں وزراء سے زیادہ خواتین حرم کے مشوروں اور رائے پر اعتماد کیا کرتے تھے۔ خواتین حرم کی سفارشات پر ہی جانشینوں کی نامزدگی اور امراء و وزراء کی تقرری عمل میں آتی سلیمان اعظم اپنی روسی بیوی کے اشاروں پر چلتا تھا۔ اس کے برے نتائج بھی نکلے شاہی دربار خواتین حرم کی امور سلطنت میں بے جا مداخلت سے سازشوں کا مرکز بن گیا۔ کیونکہ کئی امراء نے خواتین کے اس اثر و نفوذ سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش کی[۵۱] سلاطین دہلی کے عہد میں محل کے اندر اور دربار میں عموماً ملکہ سے زیادہ سلطان کی ماں کا اثر ہوتا التمتش کی بیوہ شاہ ترکان نے اپنے لڑکے رکن الدین فیروز شاہ کے عہد میں سلطنت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لی تھی وہی انتظامی فرامین جاری کرتی تھی[۵۲] رضیہ سلطانہ عہد سلاطین میں ایک بہادر فیاض، عقلمند اور کامیاب حکمران ثابت ہوئی وہ مردانہ پوشاک پہن کر روزانہ دربار میں آتی اور سلطنت کا سارا کام کرتی تھی۔ خود اپنے باپ التمتش کے عہد میں بھی وہ اس کے نائب سلطنت کے طور سے انتظام سلطنت کو بخوبی چلا چکی تھی۔ مغلیہ عہد میں بھی کئی خواتین نے اپنی ذہانت، صلاحیت اور حسن تدبر کے ذریعہ امور سلطنت میں بڑا عمل دخل حاصل کر لیا تھا۔ اکبر کی انا ماہم انگہ خاصی تعلیم یافتہ اور مہذب و دانشمند تھی۔ بیرم خان کے بعد دو سال تک ریاستی امور میں اس کا بڑا عمل دخل رہا، نور جہاں کو امور جہانبانی، سلطنت کے نظم و نسق اور دیگر سیاسی امور سے مکمل واقفیت تھی۔ امور سلطنت میں جہانگیر اس کی رائے پر انحصار کرتا تھا۔ شاہ جہاں اپنی محبوب بیوی ممتاز محل سے سرکاری امور میں رہنمائی اور مشورہ حاصل کیا کرتا تھا[۵۳] احمد نگر کی سلطانہ چاند بی بی کا نام بھی تاریخ میں جگمگا رہا ہے۔

---

۵۱ تاریخ مسلمانان عالم: ص ۵۹۴

۵۲ ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے عہد کے تمدنی جلوے: ص ۱۵۹

۵۳ تاریخ سلطنت مغلیہ: ص ۴۸۸

اسلامی معاشرہ کے عصر حاضر میں حیثیت نسواں :

اسلامی معاشرہ کے عصر حاضر میں حیات عائلی سے لے کر بین الاقوامی زندگی تک میں عورتوں کو اسلام کے عطا کردہ تمام حقوق، صنفی رعایات استقلال شخصیت اور ہر میدان میں تکمیل و ترقی کے مساوی مواقع بالکل وجوہ حاصل ہیں۔ لیکن مغربی تہذیب و تمدن کے پیہم متغیر مؤثرات و مظاہر کے زیر اثر حیثیت نسواں بھی المیوں کی زد میں ہے۔ یہ المیے حقوق و رعایات، مظاہر استقلال اور مواقع عمل و تکمیل ( ) ہر پہلو سے اسلامی معاشرہ میں بھی روز افزوں ہیں سطور ذیل میں ان المیوں کے اسباب و مظاہر کا تجزیہ اور حل بالاجمال پیش کیا جاتا ہے۔

عصر حاضر میں زندگی کے ہر شعبہ کا بنیادی المیہ اعتدال و توازن کا فقدان اور افراط و تفریط کا غلبہ ہے۔ یہی افراط و تفریط کی کیفیت حیثیت نسواں کے مظاہر پر بھی چھایا ہوا ہے۔ طبعی اور خلقی تفریقات پر مبنی متمایز اعمال و حقوق میں بھی ہر اعتبار سے مردوں کے بالکل مساوی بننے کا شوق ہو کہ مغرب کی اباحیت مطلقہ کے زیر اثر صنفی انتشار اور جنسی آوارگی پر مبنی آزادی کا مطالبہ، نسوانی فطری وظائف سے بیزاری ہو کہ اطوار و عادات میں بھی مردوں سے تشبہ کا جذبہ۔ یہ سب اس افراط و تفریط کے مظاہر ہیں جو مغربی معاشرت نے اپنے کلیسائی ادوار کے ردعمل کے طور پر اپنائے اور مشرق نے یورپی ترقی میں قدم بہ قدم چلنے کے نام پر کورانہ تقلید کے ذریعہ۔ دراصل ہر دور میں دنیا کی ترقی یافتہ اور غالب قوم یا اقوام کی فکری و عملی اور تمدنی و تہذیبی روح اس دور کی تمام اقوام پر چھا جاتی ہے۔ اور شعوری یا غیر شعوری طور پر تمام مغلوب اور غیر ترقی یافتہ اقوام، اس غالب فکری و تمدنی روح کے زیر اثر غالب قوم کی طرز معاشرت اور اسلوب فکر و عمل کو اپنا لیتی ہیں۔ ادوار سابقہ میں مسلم ملت کے عروج کے باعث دنیا کی تمام اقوام غالب اسلامی تہذیب سے متاثر ہوئیں لیکن امت مسلمہ کے زوال کے بعد عصر حاضر میں یورپی اقوام کی ترقی نے خود مسلم معاشرہ کو بھی اپنی تمدنی تقلید پر مجبور کر دیا چنانچہ عالم اسلام میں ہر جگہ آزادی نسواں کی نام نہاد تحریکیں پھل پھول رہی ہیں ان تحریکوں کا ہدف اول اسلامی معاشرہ سے پردہ اور حجاب کے شرعی آداب کو مٹانا ہے۔ مصر میں خصوصی طور سے تحریک آزادی نسواں نے خدیو اسماعیل

گئے زمانے میں زور پکڑا اور عورتوں کے لیے جدید طرز کے اسکول کھلنے لگے آزادی کی اس تحریک میں جو بعد میں بہت پھیل گئی[۱] قاسم امین نے تحریر المرأۃ اور المرأۃ الجدیدۃ لکھ کر بڑا حصہ لیا ان کتابوں میں مصنف نے مغربی تہذیب و معاشرت کے طریقوں کو اختیار کرنے کی کھلی ترغیب دی ہے ان کتابوں کی اشاعت اور آزادیٔ نسواں کی تحریک میں تجدد پسندوں نے جو سرگرمی دکھائی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عورتوں میں آزادی و بے پردگی کی ایک شدید لہر پیدا ہوگئی مردوں اور عورتوں کے مخلوط اجتماعات کا رواج ہو چلا اور تعلیم حاصل کرنے کے لیے مصری لڑکیاں اور طالبات یورپ و امریکہ کا سفر کرنے لگیں[۲] یہ سلسلہ اب اس حد تک آپہنچا ہے کہ مصر اور اس کے تتبع میں ترکیہ اور ایران[۳] نے بھی کامل طور پر مغربی معاشرت اختیار کر لی گئی ہے۔ شام و عراق بھی مغرب کے گہرے ذہنی و اخلاقی اور معاشرتی اثرات کی جولان گاہ ہیں۔ روز بروز عام معاشرہ سے دین کی گرفت ڈھیلی پڑتی جا رہی ہے۔ عورتوں میں آزادی اور بے پردگی عام ہوتی جا رہی ہے۔ کلچرل پروگرام، آزادانہ تفریحی مشاغل، مردوں عورتوں کا اختلاط روز افزوں ہے۔ مخلوط تعلیم کا رواج عام ہوتا جا رہا ہے[۴]۔ تونس بھی اسی راہ پر گامزن ہے۔ تونس کی آزادی کے بعد تین ہی سالوں میں آزادیٔ نسواں نے جو رنگ اختیار کیا اس کے بارے میں ابوالحسن علی ندوی نے پیرس کے ایک اخبار کی رپورٹ نقل کی ہے۔ جس کی رو سے: "تعدد ازدواج کی آزادی کو محدود و مقید کر دیا گیا ہے۔ شوہر کے حق طلاق پر پابندیاں عائد کر دی گئی ہیں یہ خاندانی آزادی، سیاسی اور معاشرتی آزادی کے ساتھ مل کر دو چند ہو جاتی ہیں۔ اب عورتوں کو رائے دہندگی اور مجالس قانون ساز کا ممبر بننے کا حق بھی حاصل ہے تمام ملازمتوں کے دروازے ان پر کھلے ہیں ...... پردہ کم ہوتا جا رہا ہے۔ باہر نکلنے والی عورتوں کی تعداد روز بروز بڑھ رہی ہے۔ سیاسی محفلوں میں وہ مردوں کے دوش بدوش

۱؎ اردو دائرہ معارف اسلامیہ: جلد ۷، ص ۸۹۴

۲؎ مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کش مکش: ص ۱۴۷

۳؎ ایران میں حالیہ انقلاب سے پہلے کی آزادیٔ نسواں کے اثرات اب بھی قائم ہیں۔

۴؎ ابوالحسن ندوی: مسلم ممالک میں اسلامیت و مغربیت کی کش مکش: ص ۱۷۵

نظر آتی ہیں۔[1]

افغانستان میں امیر امان اللہ خان کے دور تک اسلامی روایات اور تہذیب پوری طرح چھائی ہوئی تھی لیکن اب افغانی قوم بھی تجدد کی اس راہ پر چل پڑی ہے پردہ اب پسماندگی، جہالت اور غربت کی علامت بن گیا ہے فرنگی لباس عام ہے عورتوں میں یورپ کے پھیلائے ہوئے کامل مساوات مرد و زن کے نظریہ کے اثرات بہت گہرائی تک اتر چکے ہیں[2]۔ الجزائر، انڈونیشیا اور برصغیر پاک و ہند میں بھی اس تجدد پرستی کے یہ اثرات بڑی تیزی سے پھیل رہے ہیں جن سے خاندانی اور قومی زندگی تباہی و بربادی کی راہ پر چل پڑی ہے ان سارے اثرات اور آزادئ نسواں کی تحریکوں اور عملی اقدامات کے باوجود شرعی نقطہ نظر اپنی جگہ قائم ہے اور اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اسلام نے عورتوں کے لیے حجاب اور معاشرتی روابط کا ایک ضابطۂ اخلاق تجویز کیا ہے جس میں بے ضرورت اختلاط کی حوصلہ شکنی کی ہے اسی لیے مردوں اور عورتوں کے روابط کے متعلق اسلامی تاریخ اختلاط اور عام مجلسی میل جول کی مثالوں سے تقریباً خالی ہے۔ چودہ صدیوں پر محیط اسلامی معاشرہ کے ہر دور میں پردہ و حجاب اور دیگر معاشرتی آداب پر امت کا تعامل ایک اٹل حقیقت ہے۔ جسے عصر حاضر کے وقتی اور جذباتی انحرافات اور آوارگیوں کے ذریعہ دبایا نہیں جاسکتا خواہ یہ انحراف قومی اور ہمہ گیر ہی کیوں نہ ہو کیونکہ جس طرح عالم اسلام کے ہر ملک میں شریعت اسلامیہ سے اعراض اور بدیسی آقاؤں کے بخشے ہوئے قوانین کو سرمدی سمجھ کر نافذ کر لینے سے خالق آفاق و انفس کی نازل کردہ دائمی شریعت اور رحمت للعٰلمین صلی اللہ علیہ وسلم کے عطا کردہ نظام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نفی نہیں ہوتی۔ اسی طرح تمام مسلم اقوام کے حیثیت نسواں کے معاملہ میں یا دیگر معاشرتی امور سے متعلق انحراف اور بے راہروی کو جائز قرار دے کر اسلام کی طے کردہ حیثیت نسواں کی از کار رفتگی کی دلیل نہیں بنایا جاسکتا۔ انتشار، انحراف، کجروی اور بے راہروی کی یہ وقتی لہر بالآخر ختم کر رہیگی اور ہادی انسانیت سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کے جگمگاتے نقوش امت مسلمہ کو اپنے اصل سانچے میں ڈھال کر رہینگے۔ انشاء اللہ۔

آسماں ہوگا سحر کے نور سے آئینہ پوش اور ظلمت رات کی سیماب پا ہو جائے گی۔

وصلی اللہ علی سیدنا و مولانا محمد و علی آلہ وصحبہ اجمعین ۔

---

[1] ابوالحسن ندوی: مسلم ممالک میں اسلامیت و مغربیت کی کشمکش ص ۱۷۵

[2] ایضاً: ص ۱۹۳

[3] ابوالحسن ندوی: دریائے کابل سے دریائے ...